

भारत सरकार
GOVERNMENT OF INDIA
राष्ट्रीय पुस्तकालय, कलकत्ता ।
NATIONAL LIBRARY, CALCUTTA.

वर्ग संख्या

Class No.

पुस्तक संख्या

Book No.

रा० पु०/N. L. 38.

H7/Dic/NL/Cal/79—2,50,000—1-3-82—GIPG.

U

922.97

A353ab

C.1

میلہ شاہیر اسلام

نمبر



ابو بکر صلی

یعنی

حضرت شیخ ابو بکر دلف بن محمد شبلی رحمہ اللہ کے سوانح عمری
آپ کا تصوف و آپ کے اخلاق عادات جذبات تعلیمات و اقوال و کلام

مؤلف

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شریعت تارخ سدھ و تاریخ
ارض مقدس و جنت بغدادی و صفت ناو لیلے مگر لائے عزیز و جنت
ایام عرب فتح اندلس و فردوس برین و غیرہ

۱۹۰۶ء میں

دلگداز پرین لکھنؤ میں چھپ کے شائع ہو

(کل حقوق محفوظ رہتی)



DBA000001595URD

مر بیان سلسلہ مشاہیر اسلام

ع خداوند میر سامان است اسباب توکل را۔ بہین آئندہ تھی کہ ملک قوم سواس سلسلہ کی کتابوں کی ایسی قدرانی ہوگی جیسی کہ ظاہر ہوئی۔ سب کے پہلے عالیجناب راجہ نوشاد علی خان ساہوکار نے ہر ایک پچاس جلدوں کی خریداری فرمائی جس کے حصہ افزائی کی یاد دہانی دیکھ کر ہر ایک سیم نوہن اہم کام کو شروع کرنے پر تیار ہوئے۔ یہ معلوم ہوا کہ حضرت عالیہ کے کام لیا جاتا تو ملک قوم کو ضرر نہ ملتی۔ یہ چنانچہ موجودہ فرست ہمارے ہر ایک منبیل کے (۱) عالیجناب بہین السلطنت سرکار راجہ ہارالہام بہادر وزیر دولت تھیں جن کو دم اقبالہ۔ ۱۰۰ جلدین۔ (۲) عالیجناب نواب سلطان الملک بہادر دام اقبالہ۔ حیدر آبادوں۔ ۱۰۰ جلدین۔ (۳) عالیجناب راجہ نوشاد علی خان بہادر دام اقبالہ۔ تعلقہ داسیلار لے پور (اودھ)۔ ۵۰ جلدین۔ (۴) عالیجناب نواب بو نصر سید علی حسن خان بہادر فرزند نواب صدیقی حسن خان مرحوم رئیس پال۔ ۱۰۰ جلدین۔ (۵) عالیجناب راجہ اعجاز رسول خان صاحب رئیس جاگیر آباد۔ ۱۰۰ جلدین۔ (۶) مولانا مولوی محمد علی عثمانی صاحب عظیم آبادی داری۔ (حیدر آبادوں)۔ ۱۰۰ جلدین۔ چند حضرات اس سے کم جلدین خرید فرماتے ہیں ان کتابوں کو ہم نے اب کی مرتبہ چھوڑ دیا۔ اور ان کے معزز نام آئندہ اسی سلسلے کی کسی جلد کے ساتھ شائع کر دیے جائیں گے۔ ابھی بہین چند اور ایسے مرتبہ بھی ضرورت ہو جو اس سلسلے کی کتابوں کی متعدد جلدیں جس قدر خرید فرمائے ان لوگوں میں تقسیم فرما دیں جو قریب کے لینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اس میں ملک کی سب سے بہت اچھی برہمنی واقفیت ہو جائے گی۔ اور سب سے بڑا فائدہ ہوگا کہ مختلف گروہوں میں جو باہمی تہنات ہیں کم ہونے لگے مثلاً اعلیٰ ظاہر کا گروہ صوفیہ کو۔ اور صوفیہ کی ایک جماعت علما کو براہ کستی جو یہی حال مختلف مذاہب کے پیروں کا ہے۔ اور اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ تاکہ بزرگان مشاہیر سلف بہین شخص کمال تھا۔ مگر ان کے کمال بہین اسی وقت نظر آسکتے ہیں ہم ان کے عمل پر اور ان کے جلد میں کہ کے کہیں اس سلسلے کے ذریعہ سے ہم انشاء اللہ ہر گروہ کے لوگوں کو دکھائیں گے۔ اور اس سے کہ ان مخصوص کتابوں کی نظر پڑے۔

المستمسق۔ محمد فاروق منیج و لکھنؤ۔

184. 96. 90. 24.



ڈیٹیکنیشن

یوں تو دولت آصفیہ حیدر آباد دکن سے ہرن اور ہر
 مفید گوشش کو مدد ملتی ہو مگر عالیجناب بین السلطنہ سرہاج
 کشن پرشاد نہادر شاہ پیشکار و مدار المہام سرکار عالی و ام اقبالہ
 کو جو خاص دلچسپی فن تصوف سے اور حبیبی عقیدت بزرگان صوفیہ
 سے ہو اُسکے لحاظ سے میں اپنا فرض تصور کر کے اس کتاب
 کو بہ کمال ادب جناب محترم الیہ کے نام تامی سے معنون
 کرتا ہوں۔

گر قبول اقتداز ہے عز و شرف

خاکسار۔ محمد عبدالمعین شہر

التاس

سلسلہ شاہیر اسلام کا یہ دو سوانہر قدردانوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس میں حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ کے حالات و سچ ہیں۔ اور امید ہے کہ یہ نثر پہلے سے زیادہ مکمل ثابت ہوگا۔

ناظرین کو بادی النظر میں صرف چھپوانے کی دشواریاں نظر آتی ہیں۔ اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ہر لائف کے مرتب کو کتنے مہینے کس قدر عوری گزارنی اور دماغ سوزی کرنا پڑتی ہے۔ پھر اس پر جب کتابوں کے تلاش کرنے اور انہیں پہنچانے کی محنت بھی اضافہ ہو جاتی ہے تو مصنف کے سر ناقابل برداشت ہو جھڑ جاتا ہے۔ اگرچہ ہمیں تاہم کرنی چاہیے شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نواب سید علی حسن خان صاحب بہادر اور مولانا محمد عبد الباقی صاحب کی محنت نے کتابوں کے محنت فرمانے میں نہایت فیاضی سے کام لیا ہے۔ لیکن پورا فائدہ اسی وقت اٹھایا جاسکتا ہے جب کتاب اپنے کتب خانے میں ہو۔ اور جب ہمیشہ فرصت کے وقت فراغت و اطمینان سے اس پر نظر ڈالی جاسکے۔ الغرض اس سلسلہ کی تکمیل کے لیے ترتیب و تدوین کی محنت اور چھپوانے کے مصارف کے علاوہ خرید کتب کا بھی ایک بڑا بار مصنف کے سر ہے۔ اور وہ اسی طرح اٹھایا جاسکتا ہے کہ قدردان اس سلسلے کی اشاعت میں جان و دل اور بے شوق سے کوشش فرمائیں۔

سب سے زیادہ قابل شکر یہ وہ فیضانِ رب و بجا و بزرگان قوم ہیں جنہوں نے

بہت سی جلدوں کی خریداری محض اعانت کے لیے قبول نہ فرمائی۔
 جن حضرات نے تیار ہوتے ہی ایک جلد دتی۔ کئی بھیج دینے کی عام اجازت
 عطا فرمائی ہے۔ اُن کا شمار دوسو سے کسی قدر زیادہ ہے۔ غالباً اس سلسلے کے
 آئندہ نمبر کے ساتھ ہم اُن بزرگوں کے اسمائے گرامی کو بھی شائع کر سکیں گے۔
 فی الحال ہم بزرگ قوم شاہ القات احمد صاحب سجادہ نشین دہلی شریف
 کے اصرار و شوق سے حضرت امام انگلیں شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے حالات
 مرتب کر رہے ہیں۔ جو امید ہے کہ جلد شائع ہو سکیں گے۔ اگرچہ اس لائف میں
 بعض دقیق مسائل چھیڑنا ہوں گے۔ کیونکہ علم و صفات باری۔ دہرہ اراکسی جبر و
 قدر کے ایسے نازک مباحث چھیڑنا پڑیں گے۔ مگر لوگوں کو ٹھیکہ کے وضاحت
 سے بتایا جائے گا کہ اہل سنت کے کیا عقائد ہیں۔ لہذا یقین ہے کہ یہ نہایت
 مفید اور ضروری کتاب ہوگی۔

اس مرتبہ ہم سخت مصائب و آلام اور ناقابل برداشت صعوبات و انحکار
 میں مبتلا ہو گئے تھے جن کے باعث اس دوسرے نمبر کی اشاعت میں بہت
 دیر ہو گئی۔

خاکسار۔ محمد عبدایم شہر۔ ایڈیٹر دنگلاز

لکھنؤ۔ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۶۷ء

ماخذ

اس کتاب میں جن کتب مضامین لیے گئے ہیں ان کے صفحات بھی بتائیے گئے ہیں
اس لیے اس بات کے بتا دینے کی بھی ضرورت ہو کہ وہ کتابیں کیسی کس زمانے کی اور کسی
تصنیف ہیں۔ اور کس مطبع کی چھپی ہوئی ہیں۔ لہذا ان کی فہرست ذیل میں صحت کی جاتی ہو۔
رسالہ فقیر مصنفہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری المتوفی ۷۸۵ھ مطبوعہ دارالکتاب
طبقات الکبریٰ مصنفہ علامہ عبدالوہاب بن محمد بن علی الشحرانی الانصاری سال تصنیف ۱۰۹۵ھ
مطبوعہ میرٹھ بولاق مصر ۱۲۸۵ھ۔

مرآۃ الجنان مصنفہ امام ضعیف الدین ابی محمد عبداللہ بن سعد الباقی یعنی نزاعی طبرستان
قریب زمانہ ۱۲۸۵ھ قلمی نسخہ کتب خانہ مولانا محمد عبدالباری صاحب قرنگی محل۔
روضہ الرافضین فی حکایات الصالحین مولفہ علامہ باقی مروج بیال تصنیف ۱۲۸۵ھ
مطبوعہ مطبعہ کاسلیہ مصر ۱۲۸۵ھ۔

وفیات الاعیان۔ تالیف قاضی ابن خلکان مرتبہ ۱۲۸۵ھ و مطبوعہ بولاق مصر ۱۲۸۵ھ۔
طبقات الشافعیہ الکبریٰ مصنفہ امام تاج الدین ابی نصر عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی
المتوفی ۷۹۵ھ مطبوعہ مطبعہ حنیہ مصر۔

تلمیس البیس۔ مصنفہ ابوہریر عبدالرحمن بن ابی الحسن جوزی بغدادی فقیر منہ الملک
ہمال الدین و اعلا المتوفی ۷۹۵ھ نسخہ قلمی موجود عالیشان نواب سید علی حسن خان صاحب دار
کے کتب خانے سے دستیاب ہوا۔ مگر چونکہ اس میں صفحات کا شمار ہی نہیں قائم کیا گیا ہے۔
لہذا ہم بھی صفوں کا شمار بتانے سے معذور تھے۔

تاریخ الکامل مصنفہ امام جمال الدین ابوالحسن علی بن اثیر معروف بہ ابن اثیر حریری

الموتوی سنہ ۱۲۸۰ء مطبوعہ مطبع ذات التحریر مصر سنہ ۱۲۸۰ء۔

کتاب العبر و دیوان المبتدا و البحر مشہور بہ تاریخ ابن خلدون۔ علامہ عبدالرحمن
بن خلدون مغربی مصنفہ سنہ ۱۲۸۰ء و مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۰ء۔

عوارف المعارف۔ مصنفہ شیخ شہاب الدین عمرو بن محمد مسروری الموتوی سنہ ۱۲۸۰ء
مگر یہیں اصل کتاب نہیں مل سکی لہذا محمود بن علی کا شانی کے ترجمہ فارسی مطبوعہ نوکلشور پریس
سنہ ۱۲۸۰ء سے فائدہ اٹھایا گیا۔

تذکرۃ الاولیاء۔ مصنفہ شیخ نسیر الدین عطار۔ پہلے یہ کتاب میرے پاس تھی لہذا ابتداً
اس کے اردو ترجمہ مطبوعہ نامی پریس کھنویڈیا گیا۔ اور بعد جب اصل نسخہ مجبتائی پریس ملی
مطبوعہ سنہ ۱۲۸۰ء دستیاب ہوا تو اس سے فائدہ اٹھایا گیا۔ بعض جگہ اردو ترجمہ کے صفحات
بتائے گئے ہیں اور بعض جگہ اصل فارسی کے جن میں ایسا ذکر نہیں کیا جاسکتا۔
تذکرہ امیر دولت شاہ بن علاء الدولہ بختی شاہ قازمی سمرقندی۔ مصنفہ سنہ ۱۲۸۰ء
مطبوعہ لیڈن (ہالند) سنہ ۱۲۸۰ء۔

نجات الآلہ من حضرات القدس۔ مصنفہ مولانا عبد الرحمن جامی۔ مصنفہ سنہ ۱۲۸۰ء
مطبوعہ نوکلشور پریس سنہ ۱۲۸۰ء۔

ہوستان شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی۔ مطبوعہ نوکلشور پریس سنہ ۱۲۸۰ء
نثری ہنری آف پریشا۔ از محمد اعلیٰ تاحمد فردوسی۔ مصنفہ آئر وڈ برڈن۔ ایم
اے۔ وایم۔ بی۔ مطبوعہ لندن۔ (انگلستان)

فہرست مضامین

صفحہ	شمارہ	موضوع
۱	۱	تہنیت
۲	۲	ولادت - خاندان - اور تعلیم
۱۰	۳	سین ٹرسٹ - ملازمت - اور دنیوی امج عروج
۱۳	۴	درس گاہ معرفت
۲۱	۵	پیر اور مرید
۲۹	۶	مزاج فضائل - اخلاق و عادات
۴۹۰	۷	محبت - اور ذوق و شوق
۵۳	۸	الہامات - صفائے باطن - اور دنیا کی ادنیٰ ادنیٰ چیز سے عبرت و تاثر
۶۶	۹	ذوق سخن - اور آپ کی شاعری
۷۸	۱۰	آپ کے سفر
۸۳	۱۱	سماع - اور صحبت حال و قال
۸۷	۱۲	تعلیم - اور طرز تعلیم
۱۱۴	۱۳	آپ کی مخالفت
۱۱۸	۱۴	فیض یا بان صحبت
۱۳۲	۱۵	وفات
۱۳۹	۱۶	معرفین کمال
۱۵۰	۱۷	حکم
۱۵۳	۱۸	خاتمہ
۱۵۶	۱۹	خاتمہ الحج



این طائفہ اند اہل تحقیق باقی ہمہ خوشن پرستند
فانی ز خود و تہ دست باقی این طفر کہ نیستند کہستند

تہیہ

• ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صدی کے ربع اخیر میں ایک دن کا واقعہ جو کہ دارالسلام
بغداد و ولین بنا ہوا ہے۔ عباسی خلیفہ امیر المؤمنین المتقصد باللہ کے کسی جشن کی تیاریاں چلی
ہیں۔ عیش و عشرت کی ٹہلین ہیں۔ اور شان و شوکت کے کرشمے نظر آ رہے ہیں۔ تمام ایسا
ملک شاہی شہنشاہی شہزادہ کی پیش کرنے کے لیے طلب کیے گئے ہیں جو
حاضر و بار خلافت ہو کے آداب بجالائے ہیں۔ اور گران بہا خلعتوں سے سرفراز ہو
عباسی سر پر شہزادہ کی سلسلے مودب کھڑے ہوئے ہیں۔
اتنے میں اتفاقاً کسی بنصیب وانی ملک کو چھینک آگئی۔ اور ناک کچھ رلوت

محل چڑی۔ روہاں میں وقت موجود تھا۔ گجرات کے کسی خلعت کے امن سے جو بھی
 بھی مرمت ہو تھا، کپاک کر لی۔ شامت اچھا سے بہترین کی حرکت خلیفہ نے دیکھی
 نور عتاب ہوا جب فرمان خلافت وہ گران ہا خلعت پہن پیا گیا۔ گورنری کی خدمت
 سے بھی معزول ہوا۔ اور بے عزتی کے ساتھ وہاں سے نکالا گیا۔

خلیفہ کے اس عتاب اور برہمی کو دیکھ کے کل حاضرین دربار کانپ گئے۔ اور
 خائف تھے کہ کہیں ہم سے بھی کوئی بہترین کی حرکت نہ صادر ہو جائے۔ سارے دنیا
 پر شام طاری تھا۔ اور سب سہے ہوئے اپنے اپنے انجام پر غور کر رہے تھے۔ مگر کہیں
 امین ایک صاحب دل پاک طینت اور خدا ترس رئیس زادہ بھی تھا جو نہ سادہ کی
 ولایت پر سرفراز تھا۔ اس عتاب شنشہ ہی نے اُس کے دل میں بجا بے دنیوی
 انجام کے ایک دوسری فکر پیدا کر دی یعنی نور ہدایت نے اس جہاں کی طرف
 مائل کیا کہ ایک دنیوی بادشاہ کے خلعت کی بے وقعتی کرنے کی تو یہ سزا ہے۔ لیکن
 وہ شخص جو سارے عالم کے خالق (اللہ جل شانہ) کے خلعت (یعنی خلعت زندگی) کی
 بے وقعتی کرے اور اُسے ناپاک کر دے، سکی کیا سزا ہوگی؟ یہ خیال آتا تھا کہ دل
 دنیاوی دولت و جنت اور بر سر چند روزہ جادو جلال کی طرف سے لٹا ہو گیا۔ نور
 استیفا لکھ کے بارگاہ خلافت میں پیش کر دیا۔ نادر کی حکومت کو آگ لگائی۔ سلطنت
 سے آزادی حاصل کی۔ اور کسی ایسے پاک باطن شیخ زمانہ کی تلاش میں چل کھڑا ہوا
 جس کے ہاتھ پر نور گرے۔ اور جس کی تعلیم و تلقین سے یقین و عرفان کی بارگاہ نوری
 میں رسوخ حاصل کر سب۔

یہ حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے نعرہ ستانہ کی صدا آج تک میدانِ معرفت میں گونج رہی ہے جن کا ذوق و شوق قیامت تک سرستانِ بادۂ وحدت کے دون میں عشق کی گرم جوشی پیدا کرتا رہے گا جن کے نقش قدم کو منزلِ حقیقت کے رہ تو بردیکھتے ہوئے اُچھٹتے ہیں۔ اور جن کے مبارک حالات سے ہم ان چمنِ اوراق کو برکت دینا چاہتے ہیں۔

ولادت۔ خاندان۔ اور تعلیم

آپ کا پورا نام ابو نعیم ابو بکر وقت بن محمد شبلی ہے بعض مورخین حضرت یونس نام بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہی نام آپ کے سنگِ تربیت پر کندہ تھا۔ بعض اہلِ ویت کے نزدیک آپ کے پدر بزرگوار کا نام عباس ہے محمد کے جعفر تھا۔ جو ہمارے خیال میں مگر اچھے رسم خط کے مشتبہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ آپ کا لقب شبلی تبتلہ نام ایک گائے کا نام ہے جو آپ کے خاندان کا اصلی سرشتیہ تھا۔ یہ قریہ شہر سرحد کے مضافات میں تھا۔ اور آسیرستان، ماوراءالنہر، سمرقند سے آگے بڑھ کے ایک بڑا شہر تھا۔ یہ ترکستانی علاقہ جو فرغانہ کے نام سے مشہور تھا۔ ان دنوں والی خراسان کے علاقہ اُقدرات میں تھا۔ اور اسی وجہ سے عام مورخین آپ کو خراسانی الاصل بتاتے ہیں۔ ورنہ بج پوچھیے تو آپ ترکی الاصل تھے۔ مگر طرہ یہ کہ سب کے خلاف ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا خاندان مصر سے آیا تھا۔

غیرہ خوش اقبال خاندان چاہے جان کا جو۔ آپ کی ولادت سے پیشتر ہی اہلِ اسلام

بندوبین آکے آباد ہو گیا تھا۔ اور قریب قریب تمام اہل سیر کو اتفاق ہے کہ آپ نے بغداد میں نشوونما پایا۔ اور دین آپ کی ولادت بھی ہوئی۔ لیکن حقائق سنی میں ہے کہ آپ سامرو میں پیدا ہوئے۔

گویہ روایت سب کے خلاف اور یہ مصلح محدثین غریب ہے لیکن قیاس ہی چاہتا ہے کہ آپ سامرو میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے پدر بزرگوار خلیفہ زمانہ کے دربار میں حاجب انجلیب یعنی عرض بیگی کی معزز خدمت پر مامور تھے۔ اور سنہ وفات اور عمر کا حساب لگانے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت سنہ ۶۰۰ میں ہوئی جس سال کہ متوکل باللہ عباسی جو پندرہ سال سے مسند نشین خلافت تھا اپنے بیٹے المنصور کی سازش کے نتیجے میں خاص اپنے ترقی غلاموں کے ہاتھ سے کمال میرحی کے ہاتھ سامرو میں دار گیا۔ ان دنوں چونکہ دار خلافت عباسی کامرکز و مستقر بجائے بغداد کے سامرو تھا لہذا ضرور ہے کہ آپ کے والد ماجد بھی اپنے فرائض منصبی بجا لانے کے لیے سامرو میں قیام رکھتے ہوں متوکل باللہ کو بنی قاعہ سے سخت عداوت تھی۔ یہاں تک کہ سنہ ۶۰۰ میں اُس نے حکم جاری کر دیا کہ کربلا سے معنی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربت یا کربلا کے گرد و پیش کے مکانات کھود کے برابر کر دیے جائیں۔ اور اُن کی زمین پر ہل چلا دیا جائے۔ اُس کے دربار میں علانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کی تضحیک و توہین کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اُس کی صحبت میں ایک دن ایک فتنہ کو بیٹ پر مکیہ باندھ کے حضرت علی کی فحل و ناپاک تسبیح کرتے دیکھ کے اُس کے بیٹے المنصور سے بھی نہ رہا گیا۔ اوپر سے کہا "امیر المومنین۔ علی آپ کے امین عم اور آپ کے گھرانے کے بزرگ اور بزرگ

سرمایہ ناز تھے۔ اگر آپ ان کا گوشت کھاتے (غیبت کرتے) ہیں تو خیر مگر اس کے غصے کو نہ کھلائیں۔ اس آزادی کا اس صحبت میں تو کچھ نتیجہ نہیں ہوا۔ مگر انسی کا شہر کا ایک طرف تو التوکل کے دل میں بیٹے کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور دوسری طرف پیدا ہنسترا اس کے قتل کے لیے سازشیں کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

حضرت شیخ بوکریٹلی کی وراثت کے ساتھ ہی ایک ایسے عالم پر تہذیب اور بدعت بادشاہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کو ہم اس امر کا ایک قدرتی اشارہ حیا کرتے ہیں کہ آپ کی ذات بایکات سے دین اسلام کو بڑے دینی اور روحانی قائد ہو پھٹے والے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی جب ہم اس امر کا غماز کرتے ہیں کہ مشائخہ میں وہی زمانہ حضرت ذوالنون مصری اور صوفی بے ہمتا شیخ ابو تراب غشی کا انتقال ہو چکا تھا۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ خداوند جل و علائے آپ کی ولادت با سعادت سے دنیائے اسلام میں کتنی بڑی کمی کو پورا کر دیا۔

بچے خاندان کھیتہ لگانے کے لیے ہم نے کتب، بیچ کے بہت ورق اُٹھائے، لکھنے کی سیرو لکھنے داہون نے بہت شک بچا ہے کہ آپ کے والد ماجد خلافت کے معزز اور سربراہ و بردہ لوگوں میں تھے جس کی حاجب الحجاب و بار کی اعلیٰ ترین خدمتوں کے سپرد تھی مگر تاریخ کی کتابوں سے بغیر روایت و قیاس سے کام لینے کے ہیں۔ کچھ ثبوت نہیں مل سکتا تاہم آپ کا نام دوسری ایک نوکھا اور غیر مروج نام ہے کہ اس سے کسی نہ کسی پتہ ضرور ہلکا جاتے ہیں جو بہت کچھ قرین قیاس ہے۔

ہمیں اس حد میں نام کا صرف ایک ہی خاندان نظر آتا ہے۔ جس کا

ابتدائی غلاموں رشید کے عہد میں ہوا تھا۔ عیسیٰ بن ماریان کے ساتھ جو لوگ ظاہر
 کے مقابلے کو گئے تھے ان میں ابو دلف نام ایک نامور شخص تھا جس کا قیام ہریان کے
 قریب ترش نام ایک قریہ میں تھا۔ عیسیٰ کے مارے جانے کے بعد ابو دلف مذکور
 پھر کرغ میں جا کے خاموش بیٹھ رہا۔ ظاہر نے خط بھیج کے اسے اپنے ساتھ ملانا چاہا اور اس نے
 جواب دیا کہ میں نے اب رادہ کر لیا ہوں کہ کسی کی بھی طرف داری نہ کروں۔ یہ امر ماتون
 کو ناگوار ہوا کہ سلطنت کی اعانت سے انکار کرنا کی سزا چنانچہ اپنے دربار سے اس کے
 رہنے میں اسے بلوایا۔ اس کی خطاطی کی۔ اور وہ پھر کرغ میں جا کے خاموشی کی زندگی
 بسر کرنے لگا۔ ابو دلف کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے عبد العزیز کو فاضل کرنا شروع ہوا۔
 مذاجب سرکش غلامان ترک نے خلیفہ المستعین کے موجود ہوتے ہمسز کے ساتھ پرہیز
 کر لی تو عبد العزیز بن ابو دلف نے اسی خلیفہ المستعین کا ساتھ دیا۔ المستعین نے اس کے
 سے میں اسے نعمت سے سرفراز کیا۔ اور علاؤ مجمل اور صفقان کی حکومت اس کے ہاتھ
 میں چڑی۔ المستعین نے رجب ۵۸۰ میں ہزار فوج پروسی بنایا نام ترک غلام کو شہر
 مقرر کر کے عبد العزیز کے مقابلے کو بھیجا۔ شہر حراہی کے باہر لڑائی ہوئی۔ اور عبد العزیز
 شکست کی اپنے مستقر کرغ میں چلا گیا۔ ابن بنا کے مقدمہ مجلس کا سردار مطلع
 کرتا ہوا عبد العزیز کو اس کے گھر کے دروازے پر بھی شکست دی۔ اب عبد العزیز نے
 بھاگ کے ہنادند کے قلعے میں پناہ لی۔ اس کے چند روز بعد ابن بقتان سے اور
 اس سے ایک اور مقابلہ ہوا۔ اور اب بھی عبد العزیز کی قسمت نے ناسامدت کی۔
 مگر باوجود ان شکستوں کے ہنادند وغیرہ اسی کے قبضے میں رہے۔ عبد العزیز کے مرنے پر

اُس کا بیٹا وقت جا بٹھین ہوا۔ اُسے قاسم بن صباہ نے آکے شکست دی جس کے باعث وقت کی زندگی ہی تین خاندان ابو وقت کے خیر اندیشوں نے اُس کے بھائی احمد بن عبدالعزیز بن ابو وقت کو اپنا سرگروہ بنا کے ششہ میں بھائی کا جانشین کیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی اس خاندان کا ستارہ ذرا چمک گیا۔

ان دنوں عمرو بن لیث صفار نے خراسان وغیرہ میں ایسا فساد پکڑ لیا تھا کہ خلافت کے مقبوضات پر بھی اپنا قبضہ قائم کر رہا تھا۔ اُس نے احمد بن عبدالعزیز بن ابو وقت کو اپنی طرف سے والی مہمان مقرر کیا۔ بغداد کے سریر خلافت پر اب ہاتھ تھا۔ اُس نے بجا ہے اس کے کہ احمد بن عبدالعزیز سے کوئی باز پرس کرتا اپنی طرف سے بھی ششہ میں اُسے حاکم صفار بنا دیا۔ اور یوں احمد ایک ایسا عجیب و غریب گورنر بن گیا جو ایک ہی ملک پر دو مخالفت فرمان رواؤں کا نائب تھا۔ ششہ میں کعلنج ترکی اُس کے مقابلے کو آیا۔ اور شکست کھا کے واپس گیا۔ اور شاید اسی ہم کی ضرورت سے ششہ میں عمرو لیث نے اُسے روہیہ بھیجا تھا۔ ششہ میں احمد بن عبدالعزیز نے سفر آخرت کیا۔ اور اُس کے دو بھائی عماد و خیر بشر ترک والی مقرر کیے گئے۔ جنہوں نے آخر میں خلافت بغداد کی حمایت کی۔ یعنی ہمتی کی جانب واری میں عمرو بن لیث کے بھائی رافع بن لیث سے لڑے۔ مگر شکست کھائی۔ اس کے بعد ششہ میں ہمتی نے عمر بن عبدالعزیز کو والی مہمان و نہادہ و کرتاج مقرر کیا۔ پھر چندا و برہکڑ سے لڑے۔ لیکن اب عمر بن عبدالعزیز بن ابو وقت کی وقعت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ششہ میں جب وہ بغداد میں آیا

تو طاقت کی جانب سے بڑی دھوم دھام اور ترک و اعتنا سے اُس کا استقبال کیا گیا۔ اور خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوا۔

ان واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر شبلی مین کا نام نامی دولت تھا اسی خاندان کے کوئی رکن نہیں تھے، لہذا وہ مجد ر ترکی نام مین۔ اور قرینہ تھا ہے کہ ان دونوں دن تو سلم خاندانوں مین دو نام رکھے جاتے ہوں۔ ایک اصلی خاندانی اور قومی۔ اور دوسرا عربی جسے اسلامی نام کنا چاہیے۔ اسی تعدد سے انہوں کو دو کا دیا۔ اور اختلاف روایت پیدا ہوا۔ لہذا آپ کا نام غالباً دولت بھی ہے۔ اور جعفر بھی۔ اور آپ کے والد کا نام مجد بھی اور یونس بھی۔ اصل بانی خاندان کا نام نہیں معلوم صرف کینت ابو دولت بتائی گئی ہے جس سے ظاہر ہو کہ دولت نام اسکا کوئی بیٹا ضرور تھا اور کیا عجب کہ ابو دولت ہی کا نام مجد ہو۔ لہذا بظن غالب حضرت ابو بکر شبلی عبدالعزیز بن ابو دولت کے بھائی تھے۔ اور اپنے عزیز وانی کی طرف سے حسب فرمان خلافت یا نیا بیٹا ہونا مذکور کی گوری کرتے تھے۔

علاوہ برین جب یہ امر کتب سیر مین موجود ہے کہ آپ ہناوند کے گور بھو اور والد صاحب خلافت تھے تو یہ قیاس اور یقینی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ استعین کے زمانے مین پہلے عرض یگی یعنی حاجب عظم کی خدمت پر وصیف نام ایک غلام مقرر تھا۔ اور اُسی کو جبل صفیان کی گوری بھی دی گئی تھی۔ پھر جب عبدالعزیز بن ابو دولت نے رفاقت پر آمادگی ظاہر کی تو وہ اُسی وصیف کا قائم مقام مقرر کیا گیا۔ اور طرح یہ دونوں تھیں نبی دولت مین آگئیں۔

حضرت ابو بکر شبلی کسی عالم و فقیہ یا صوفی و صاحب باطن شیخ کے گھر میں نہیں پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ آپ ایک سدر کی سردار اور نامی ایشیائین کے گھرانے کے نو مال تھے۔ ہندو آپ کی بچپن کی تربیت و تعلیم کا حال اکل نہیں معلوم ہو سکتا کیونکہ کتب رجال و سیر میں اخلاق عادات کے دکھانے کی جس قدر کوشش کی گئی ہے علماء و فضلاء اور محدثین و اقلیاء ہی پر محدود ہے۔ امر اور وسا کا طبقہ سواتاجداروں اور فرمان رواؤں کے علماء و معنفین کی اس توجہ سے اکثر محروم رہا ہے۔ آپ کے قرابت دار دن میں بھی کوئی ایسے بزرگ تھے جسے کہ جناب جنت کے عزیز دن میں حضرت سری سقطی تھے۔ کہ ان بزرگ کی صحبت ہی میں کبھی کبھی آپ کی صورت نظر آ جاتی۔

جو کچھ معلوم ہو سکا صرف اس قدر ہے کہ چونکہ آپ کا خاندان فقہ مالکیہ کا پیرو تھا۔ لہذا اسی گروہ میں آپ بھی تھے۔ لہذا ابتدائی تعلیم کے بعد فقہ مالکیہ پر حنا شروع کی اور اس میں کمال و تجربہ حاصل کیا۔ محدثین و معنفین اور محدثین کے گروہ میں بھی شامل ہوئے۔ مہارے امام مالک بر زبان تھی۔ جو حدیث کی فضل ترین کتاب تصور کی جاتی تھی۔ لیکن حق جو طبیعت چاہے کہ موثر باطن کے انکشاف کی مشتاق تھی لہذا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس پڑھنے لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں ملتا تھا اور جس چیز کی تلاش ہے وہ نہیں ملتی خود فرماتے ہیں میں نے تیس برس تک فقہ پڑھی بیان تک کہ ایک آفتاب میرے سینے سے طلوع ہوا۔ پھر میں استادوں کے پاس گیا اور ان سے علم اسی کا خواہنگار ہوا۔ مگر کسی نے کچھ نہ بتایا۔ کیونکہ وہ خود نہ جانتے تھے۔ یہی کہا کہ ہر چیز کا ایک نشان ہے

سے ربانہ فیروز ۳۴۔ مرقۃ الجنان لافسی جلالہ علیہ السلام طبقات ائبرہی مشرقی
الکلیہ تذکرۃ الاولیاء ۶۸۷۔

اگر غیب کا کچھ نشان نہیں۔ یہ جوابات سن کے مجھے تعجب ہوا۔ اور میں نے کہا اگر آپ صاحب اندھیرے میں ہیں۔ اور میں اپنے آپ کو صبح روشن میں پاتا ہوں۔ مگر افسوس کہ اپنی اس حالت پر شکر گزار نہ ہوا۔ اور اپنی مولایت چورون کے سپرد کر دی۔ میری زبان سے یہ کلمات سن کے لوگ بگڑے اور عداوت پر آمادہ ہو گئے۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں خود بخود توحید و خدا شناسی کا جوش پیدا ہوا۔ اور تعلیم فقہ و حدیث کے زمانے ہی سے انکشاف باطن کی جستجو شروع ہو گئی تھی۔ گو اُس کے نھور کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔

رسن رشد۔ ملازمت اور نبوی اور روح

لیکن جس خاندان کے رکن تھے اُس کا ہر تنفس ملازمت پہ مگری۔ اور حکومت کے کاروبار میں مشغول تھا۔ چنانچہ اس علم و فضل اور اس جستجوئے حق پر خاندانی تعلقات غائب آ گئے۔ جو کسی درس گاہ یا خانقاہ میں بیٹھنے کے عوض نہیں لیا کرتا۔ مارت میں بٹھانا چاہتے تھے۔ آپ تحصیل علم سے فارغ ہوتے ہی شاہی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اور اپنے خاندانی کارناموں کے صلے میں ہمارے دربار کے وزیر مقرر ہوئے۔

ہمارے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں موجود ہے کہ آپ نے زمانہ حکومت میں کیا کارروائیاں کیں۔ خلافت کی کسی خدمت میں بھی لگے نہ۔ اور رعایا کے

عہد خدمات الاشراف ۱۱۰۲ھ۔ عہد تذکرۃ الاولیاء ۱۱۰۹ھ۔ ابن خلکان رسالہ فیروز فیروز و بنادند جو مکران علی شاہ تھانہ
نہادہ ہی اردو میں منقول ہو چکا ہے۔

کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اسی قدر میں ہم اس سے بھی لاعلم ہیں کہ نہاد زندگی میں حکومت کتنے دنوں تک ہاتھ میں رہنے پائی تھی کہ کسی ضرورت و تقریب سے دار الخلافہ میں بلائے گئے۔ اور وہ عبرت خیز واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تہذیب میں آپکا ہے اور جس نے صرف ایک لفظ پر آپ کو ایک والی ملک اور رئیس قوم سے ایک صاحب باطن فقیر اور پاک نفس صوفی صافی بنا دیا۔

علوم باطنی کی طرف توجہ کرنے سے پیشتر کے حالات بیان کرنے سے مورخین اس قدر خاموش ہیں کہ سوانہ زندگی امارت کے اور کچھ حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ کثر بزرگان دین کے حالات میں مورخین کے قلم نے اسی قسم کا بخل کر رکھا جو مورتا نہیں جتنا کہ حضرت ابو بکر شبلیؓ کے معاملے میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی اور گم نامی میں ہے۔

• ان امور کا پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ اسلام کے پے مذاق کے مطابق آپ بتائے تھے۔ بی بی تحسین جن کے مشتبہ کرنے کے لیے بعض اوقات آپ عجیب غریب کام کر گزارتے تھے۔ خدا نے اودھ بھنی تھی۔ جن میں سے بعض کو اس نے والدین کو ثواب آخرت عطا کرنے کے لیے دُنیا سے اٹھایا اور بعض زندہ رہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آپکا ایک بیٹا جس کا نام ابو الحسن تھا۔ اس نے ماں باپ کے دل کو داغ دے کے سفر آخرت کیا۔ اور آغوشِ مادر سے نکال کے آغوشِ خدا کے سپرد کیا گیا۔ دل شکستہ باق کو بے انتہا صدمہ ہوا۔ رومین مشین اور سر کے بال فوج ڈالے۔ یہ حالت دیکھ کے حضرت شبلیؓ حام میں گئے۔ اور ڈارمیؒ میں نوزد لگا لیا چند عورت کے بعد جب حام سے باہر گئے تو ڈارمیؒ خائب تھی۔ ڈارمیؒ نے داناؤں و نون

اس قدر خلافت فیشن تھا کہ کسی کی ڈاڑھی منڈی دیکھ کے لوگوں کا خیال جواروہم
 جواز کی طرف متوجہ ہونے کے عوض اس شخص کے جوش و دھواں بجانا ہوتا یا کسی
 خاص پیر کی طرف رجوع ہوتا۔ اب جو لوگ تعزیت کو آتے تو آپ کی یہ ذمت دیکھ کے
 تعجب و حیرت جانتے۔ اور پوچھتے تیل خیریت تو ہے؟ ہمیں کا جواب آپ یہ دیتے کہ میں نے
 اس بارے میں نبی کی پیروی کی ہے۔ انھوں نے بیٹے کے غم میں اپنے بالوں پر
 ہاتھ صاف کیا اور میں نے اپنی ڈاڑھی پر لیکن اس با مذاق جواب سے کسی کا دل نہیں
 نہ ہوتا تھا اور بار بار ڈاڑھی اڑا دینے کا اصلی سبب پوچھا جاتا۔ تب آپ فرمایا: سُنو
 میں نے یہ خیال کیا کہ لوگ یاد خدا چھوڑ کے میرے پاس تعزیت کے لیے آئیں گے۔
 لہذا میرے سبب سے جو لوگوں کے دل میں خدا کی طرف سے بے توجہی ہوگی، بس کے
 خدا یہ میں نے اپنی ڈاڑھی نذر کر دی۔

اس واقعہ کو فقہاء اور اہل ظاہر غالباً بھی نگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ مگر ہم مفسرین
 مشورہ دیتے ہیں کہ خدا دہایت سے بھی کام لیں۔ ڈاڑھی منڈانا ان دنوں نہ امرائے
 فیشن میں تھا۔ اور وہ کسی طبقہ کے۔ لہذا اس ناز میں اس فعل سے کوئی دنیوی رسوخ
 یا طرح داری نہیں ظاہر ہو سکتی تھی۔ بلکہ بے ڈاڑھی کا انسان ہر سوسائٹی میں ذلیل و خوار
 تصور کیا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بابت وحدت میں عرق ہونے سے اس قدر از خود متہ
 ہو گئے تھے کہ کسی خاص دھن میں غوہو کے بعض اوقات ایسے افعال کر گزرتے
 تھے جن پر لوگوں کو حیرت ہو جاتی۔ اور اگر آپ میں ہوتے تو وہ خود بھی حیران ہو جاتے۔
 اسی طرح آپ کے ایک دوسرے صاحبزادے یونس بھی تھے جن سے آپ کے

حالات کے متعلق صرف ایک روایت ہم تک پہنچی ہے۔ کہ ایک مرتبہ ان کے والد ماجد ساری رات بچت کے ایک کونے پر کھڑے رہے۔ اور کہتے تھے کہ اسے آکھ اگر تو نے پاک بھپکائی تو تجھے کام نہ دیا جاسکے۔ اسی طرح رات بھر بیکٹ بھپکائی صبح ہوئی تو تجھے کہا دینا۔ میں نے آج رات سو ایک مرغ کے کسی کو خدا کا ذکر کرتے نہیں سنا۔

لہٰذا سند شہادتوں سے یہ تو بے شک ثابت ہو گیا کہ آپ کی بی بی بھی تھیں اور خدائے اولاد بھی خطا کی تھی۔ مگر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ یہ عقد آپ نے جام معرفت پینے کے بعد کیا تھا یا پہلے۔ تاہم قیاس سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ باتیں درجہ حقیقت میں تحفہ سے پیشتر ہی کی ہوں گی۔ کیونکہ اول تو آپ کا مذاق تصوف اس قدر گہرا و بخود بنادینے والا تھا کہ اگر تجھ کو آپ ضروری نہیں تو اپنے لیے جائز اور اپنے مذاق توحید کے مناسب ضروری خیال کرتے ہوں گے۔ علاوہ بریں یہ بتایا جاسکتا ہے کہ آپ نے تیس سال تک فقہ وحدیث کی تعلیم پائی۔ اور اگر تعلیم کا آغاز آٹھ برس کی عمر میں ہوا اور چار ہی پانچ برس آپ ہناوند کے والی رہے ہوں تو توبہ کر کے علوم باطن کی طرف توجہ کرنے کے وقت آپ کی عمر شریف ۲۲ یا ۲۳ برس ہو گئی ہوگی۔ اور اس عمر تک ان دنوں ایک دنیاہ ارامیرزا سے کا مجرور ہنا اور شادی نہ کرنا خلاف قیاس ہو۔ پس اس کے سوا آپ کی دنیا داری کی ابتدائی زندگی کے متعلق ہم کوئی بات جانتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا اب خانقاہ عرفان میں چل کے ہم آپ کا استقبال کرتے ہیں۔

عہد تلیس ایلوس۔ بیان مکرر و علی الصوفیہ من الافعال المکرر۔

درس گاہ معرفت

دربار خلافت میں استیفا داخل کرتے ہی آپ کو رموز باطن حل کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔ اور وہ جوش یک بیک ہرے زرد، شور سے ابھر جو تعلیم قد و حدیث کے وقت دل کو کسی طرح مطمئن نہیں ہونے دیتا تھا۔ اور کسی بات سے جو یا سہ حق قلب بے قرار کوشلی نہ ہوتی تھی۔ اب کسی ایسے پاک باطن رمزان وحدت کی تدریس ہوئی جسکی خدمت میں حاضر ہو کے مراحل یقین طے کریں۔

ان دنوں دربار خلافت کامرکز شہر شرمین راجی تھا جسے آبِ سامرہ کہتے ہیں لیون خلافت سے محل کے شہر کی سرکون پر آئے اور کسی دن کامل کا پتہ پوچھا لوگوں نے خیر شاج کا نام لیا جو رسی شہر شرمین راجی میں پیدا ہوئے تھے اور فی الحال خاص درالسلام بغداد میں اقامت گزین تھے۔ فہما ہو مٹی کے خیال نے خیر شاج سے ملنے کا شوق دل میں اور بڑھا دیا ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ سامرہ چھوڑ کے بغداد کی راہ لی۔ اور سید نے ابو عسین خیر شاج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خیر شاج اگرچہ بڑے صاحب معرفت بزرگان دین میں سے تھے۔ لیکن شبلی کا ذوق و شوق دیکھا۔ ان کی جوانانہ استعدادی و گرمجوشی دیکھی۔ اور پھر ان کے علم و فضل کا اندازہ کیا تو انھیں اپنی پاس رکھنا مناسب نہ سمجھے۔ اور خیال کیا کہ ان کے لیے جنید بغدادی سے بہتر کوئی شیخ طریقت نہیں ہو سکتا۔ لہذا پہلے تو اپنی صحبت میں ان سے تمام گناہوں کو برصیتوں سے تو بہ کر آئی۔ اور پھر انھیں حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں بھیج دیا۔ جو ان

دفعہ علوم باطن کے مرکز اور رہنوردان طریق معرفت کے حج و ماویٰ بنے ہوئے
تھے۔ اور جن کی صحبت میں اہل ذوق کا ایک ہجوم جمع ہوا کرتا تھا۔

نبلی جب خیر سلاج کے پیام کے ساتھ حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے
تو سامنا ہوتے ہی عرض کیا: لوگوں نے آپ کے پاس گویا ہر مرد کا پتہ دیا ہے۔ یونہی
عطیہ ہو گا یا قیمت سے؟ جنید نے ان کی صورت دیکھ کے فرمایا: بچوں تو تم سے نہ ملو گے
کیونکہ وہ بہت گراں ہے اور تمہارے پاس اتنا سرمایہ نہیں۔ اگر مفت دے دوں
تو تمہیں اس کی قدر نہ ہوگی۔ ہاں اگر جو افراد ان کی طرح اس دریا میں سر کے بھل
نقطہ لگاؤ گے۔ اور صبر و استقامت سے جہت کر دو گے۔ تو وہ گویا ہر مرد ہاتھ آجئے گا۔

آپ کی سیرۃ لکھنے والوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جنید ہندوی
اور خیر سلاج کے علاوہ اس عہد کے دیگر ائمہ باطن اور اولیائے زمانہ کی صحبتوں سے
بھی آپ نے فیض اٹھایا۔ مگر ہمیں سولے مذکورہ بالا دوزخوں کے اور کسی کا نام
نہیں بتایا گیا ہے۔ اور نہ آپ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کبھی کسی اور شیخ باطن
کی خدمت میں بھی شرفیاب ہونے کے لیے تشریف لے گئے۔ یوں تو آپ دنیا کی حالت
سے نہ کانداروں۔ راہگیروں کی صداؤں۔ اور چڑیوں کی آوازوں تک سنے
سبق لیتے عہدت جمل کرتے۔ اور بیتاب و بیخود ہو جاتے جیسا کہ آگے چل کے ہم بیان
کر رہے گے۔ مگر اداوت اور شاگردی کی حیثیت سے آپ کو جو کچھ فیض پہنچا صرف
شیخ الطائفہ ابو القاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ سے۔ خیر سلاج سے بھی جو کچھ حاصل ہوا گو وہ
بہت بڑی خیر ہے اور اسی کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ایوان معرفت کا دروازہ

وقت مجھ سے کہا تیرے اوپر ایک درہم کا سطلہ باقی ہے۔ اس کے عوض ہزارمین
درہم خیرات کر چکا ہوں مگر دل پر سے اس کا باہمین ہٹتا۔

اب حضرت جنید نے ریاضت شروع کرنے سے پہلے کس نفسی کے سبق دینا
شروع کیے۔ چنانچہ کہا ایک سال تک کبریت بچو جب یہ سال ختم ہوا تو رشاد ہوا کہ
ایک سال دیروزہ گری کر دو درہم بھیک مانگو۔ لیکن یہ شرط ہے کہ جو چیزین ملین
ان میں سے کسی میں مشغول نہ ہو جانا۔ یہ برک آپ کو اس حالت میں گذرے کہ سارے
بنداد میں ایک ایک کے دروازے پر جلسے سوال کرتے جاؤ کوئی کچھ نہ دیتا۔
یہ کہ یقیناً لوگوں کو بڑی مشکوکوں سے یقین آیا ہو گا کہ یہ محتاج ہیں۔ اور اقلہ اس
کی مجبوری سے سوال کرتے ہیں فقری میں اس نہ کاری کی خبر حضرت جنید کو پہنچی
تو فرمایا "اب تمہیں اپنی قدر و قیمت معلوم ہو گئی۔"

برابر چار سال ان مختلف حالتوں کو گزر گئے تو شیخ جنید نے آپ کے قلب کا
استحسان لیا اور فرمایا "ابھی تم میں تھوڑی جاہ طلبی باقی ہے۔ ایک سال اور گدائی
کرو۔ اس سال آپ کو لوگوں کی فیاضی سے بھیک ملتی تھی۔ مگر جو کچھ ہاتھ آتا رہا وہ نہ بلا
آٹھ لاکھ حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کرتے۔ وہ اسے اپنے حلقے کے درویشوں
میں تقسیم کر دیتے۔ اور انہیں اکثر بھوکا ہی رکھا کرتے۔ جب یہ سب مرحلہ جھیل چکے
تو شیخ جنید نے فرمایا "اب میں تمہیں اپنی صحبت میں لکھوں گا۔ لیکن اتنی غلط باقی
ہے کہ ایک ہال تک درویشوں کی خدمت کرو۔ یہ بھی کیا۔ اور ان ابتدائی یا غرض
سے فارغ ہو کر حضرت شیخ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو گئے تو جنید نے پوچھا۔ بتاؤ

اب تمام سے نزدیک تھارے نفس کا کیا نتیجہ ہے؟ "عرض کیا" اپنے آپ کو
 ساری خلعت سے ادنیٰ درجے پر پاتا ہوں "ارشاد ہوا کہ "اب تھارا ایمان درست ہوا"
 دیگر اہل سیر نے اگرچہ ان ابتدائی استخوانوں اور بے نفسی کی تعلیموں کی تفصیل
 نہیں بیان کی ہے۔ مگر اس امر میں کل اہل سیر کو اتفاق ہے کہ ابتدائے عمر میں آپ کے
 عبادات حد سے گزرے ہوئے تھے۔ کمال باطنی کی یہ ایجاد ختم کرنے کے بعد عبادت
 و ریاضت میں مشغول ہوئے تو معمول تھا کہ ہر روز ایک سر و آپ (تہ خانے) میں
 اتر جاتے۔ اور اپنے ساتھ جلانے کی کچھ لکڑیاں بھی لیتے جاتے۔ وہاں خلوت میں
 بیٹھ کے مصروف عبادت ہوتے۔ کسی وقت دل ذرا بھی غفلت کرتا تو ان میں سے
 ایک لکڑی اٹھا کے آپ ہی اپنے جسم پر مارنا شروع کرتے۔ اور یہاں تک بارتے
 کہ جب تک وہ لکڑی ٹوٹ نہ جاتی ہاتھ نہ رکتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ سب لکڑیاں
 دن ختم ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتیں اور ایسی حالت میں جب تک اذیت پہنچانے کیلئے
 اپنے ہاتھ پاؤں زور زور سے دیوار پر مارتے۔ غرض ایسی ایسی سخت نصیبتیں
 پھیل کے دل کو قابو میں لاتے۔ اور اسے عادی بناتے کہ حضرت رب العزت کی
 طرف متوجہ ہو تو پھر کسی اور طرف کا رخ نہ کرے۔

آغاز حال میں زار و قطار رویا کرتے۔ اور آہیں بھرتے تھے حضرت جبریل
 نے یہ دیکھ کے فرمایا "حق تعالیٰ کی درگاہ سے شبلی کو ایک دو بیت دی گئی تھی جسے
 چاہا کہ اس امانت میں خیانت کرے لہذا اسی جرم کی سزا کیلئے آہ و زاری کی تکلیف میں مبتلا

عہ تذکرہ الاولیاء۔ ۶۰۸۔ عہ رسالہ فقیر ۲۲۔ حرۃ اعلان حالات عہ ۱۳۲۰۔ طبع ملتان
 اول ۶۰۸۔ عہ رسالہ فقیر ۲۲۔

کیا گیا ہے۔ راتوں کو بالائزہام جاگتے۔ اور صبح تک سونے کا نام نہ لیتے لیکن رات
نفس نہ ماننا طبیعت سستی کرتی۔ اور آنکھوں میں نیند بھر آتی۔ اس کے لیے طرح طرح
کی تدبیریں کرتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں: فلان فلان راتوں کو میں نے نمک کا ٹکڑا
لگا دیا۔ تاکہ جاگنے کی عادت پڑے۔ اور نیند نہ آئے۔ اور جب اس سے بھی کام
نہ چلا تو میں نے سلائی گرم کر کے آنکھوں میں پھیر دی۔ یہ دیکھ کے لوگوں نے کہا: معلوم
ہوتا ہے آپ کو آنکھوں کی ضرورت نہیں رہی۔ فرمایا: مضائقہ نہیں جس کے دیدار
کا اشتیاق ہے وہی ان آنکھوں سے پوشیدہ ہے تو پھر یہ کس کام کی چیز ہے؟

استاد اہل دقاق کا بیان ہے کہ آنکھوں نے ایسے ایسے نمکوں کا سرور لگایا۔
جن کی وجہ سے نیند نہ آتی سا اور بیداری کی عادت پڑتی۔ اور اگر شیخ شریعت کی
تعلیم کا خیال نہ ہوتا تو اور زیادہ ریاضت کرتے۔ حد سے زیادہ جاگنے اور نیند سے
دست بردار ہو جانے پر لوگوں نے آپ کو الزام دیا تو فرمایا: میں نے سنا کہ خدا
نوح سے کہہ رہا ہے جو سولے غافل ہوا اور جو غافل ہوا اس کی آنکھ پر پردہ پڑ گیا پھر
جہلا میں کیونکر سو سکتا ہوں؟ ایسی لہ نمک کا سرور لگتا ہے تاکہ آنکھ نہ لگے؟

عشق الہی کے کتب میں داخل ہوتے ہی یہ رنگ ہو گیا کہ اللہ جل شانہ نے
نام پر شیدا تھے جس کسی کے منہ سے یہ نام پاک نکل جاتا اس کا منہ شکر سے
بھر جیتا۔ اور ہر کون کو شکر باتھا کرتے کہ اللہ کا نام لو۔ یہ ذوق بڑھتے بڑھتے
دوبے کو پہنچا کہ اب جس کی زبان پر یہ نام پاک آتا اس کا منہ دیتا رون (شہر مومن)

عہ تذکرۃ الاولیاء ۶۷۲۔ عہ حقائق لکبری ۲۰۰۔ عہ تذکرۃ الاولیاء ۶۷۱۔ عہ رسالہ

خیر ۲۳۔ عہ حقائق لکبری ۱۳۳۔

سے بھرے۔ اس کے بعد عشقِ اکی کے جوش میں کچھ ایسا القاب ہوا۔ اور ایسا دنیا
 رقابت پیدا ہوا کہ تو اس لیے پھرتے۔ اور کہتے کہ جو کوئی اللہ کا نام زبان پر لائے گا
 اُس کا سر اُڑا دوں گا۔ بعض لوگوں نے ہزمت کر کے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا
 کہ لوگ عادت پر جانے کے سبب سے غفلت دے تو جی کے ساتھ اللہ کا نام پاک
 زبان پر لاتے ہیں۔ ان میں خلوص و ارادہ نہیں۔ یہ بھی آپ کے معمولات میں تھا
 کہ جہان کین اللہ جل شانہ کا نام لکھایا استغوث نظر آ جاتا اُسے بوسہ دیتے۔ یہ حالات
 تھے سارے اس رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ یکایک سینے سے نکل کے کان میں
 فرشتہ ہدایت کی آواز آئی کہ بیک رنگ رسم پرستی کو بے گاہ خطاب ہے تو بجائے اسم
 کے سہمی کی۔ اور طلب میں قدم رکھنا۔ اب ہجومِ شوق بڑھا۔ جوشِ عشق نے جنون و
 جذب کی شان اختیار کی۔ اور ایسے بیتاب و بیقرار ہوئے کہ ایک بار وجہ میں
 چاند پر ہے۔ مگر خدا کی قدرت لہروں نے کنارے پر پھینک دیا۔ آگ میں کوہ
 لیکن اُس سے بھی بچ گئے۔ دیگر ملک تدبیر میں عمل میں لائے۔ اور اُن سے
 بھی بچے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن جوش و خروش میں کمی ہونے کو نہ آتی تھی۔ پکارتے
 پھرتے تھے۔ و بلی لمن لا یفتقدہ الماؤد المائت و السبع و العجب لہ! (شامت ہو اسکی
 جسے نہ پانی ڈھو تا بعد آگ جلاتی ہے۔ نہ درندے پھاڑتے ہیں اور نہ ہمارا ہلاک
 کرتے ہیں) مگر اس قیابانہ سوال کا جواب اُسی فرشتہ ہدایت نے سینے کے اندر سے
 یہ دیا کہ من کان یقتول اخی لا یقتلہ اللہ (جو خدا کا مقتول ہو اُسے کوئی دوسرا قتل نہیں
 کر سکتا) آخر قیابی بیان تک نہ مری کہ لوگوں نے تجھ کو دین میں بانہ دے کے بٹھایا۔ اور
 ادھر رہا کہ شبلی دیوانے ہو گئے۔ جتنا لوگ شہنائی میں اٹھائے گئے۔ مگر یہ سب سے



یہی فرماتے تھے کہ تمہارے نزدیک میں دیوانہ ہوں۔ اور میرے نزدیک تم دیوانہ
 ہو۔ میری یہ دیوانگی انشاء اللہ روز بروز زیادہ ہی ہوگی۔
 از سر بالین من چیزے تلوان طیب درو مند عشق را دار و بجز زینت نیست۔

پیر اور مرید

حضرت جنید بغدادی کی بارگاہ فیض سے طالب حقیقت مرید شیخ ابو بکر ثمالی کی
 جو تعلیمیں منہل ہوئیں جس عنوان سے انھوں نے آپ سے شاہراہ طریقت کی دشوار
 سفر میں طے کرائیں۔ اور پیر اور مرید میں باہم جو ذات کاشیش آئے وہ بھی اگرچہ
 دراصل گزشتہ بحث میں ہی ہو سکا۔ گاہ معرفت ہی کا ایک جزو ہیں مگر ہم ان میں ایک
 خاص صفت دیکھ کے انھیں علاحدہ بیان کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہ شک مرشد کی تعلیموں
 کا اہم حصہ اور بیان ہو چکا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ گزشتہ بحث کی قلمیوں میں صرف چھٹانے
 اور درس دینے کی شان تھی اور ان باتوں میں جن کا ذکر آپ آئے گا۔ اتنا بھی ان
 روحانی تربیت کی شان پائی جاتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی میں باوجود اعلیٰ درجے کے مراجع عرفان طے کر لینے کے
 شانت تھی۔ ضبط تھا۔ اور ان کی فطرت میں بھی عالمانہ وقار نمایان تھا۔ یہ خلافت
 اس کے شہل میں جوش و خروش تھا۔ بے صبری و بیقراری تھی۔ اور ایسی محبت
 بے اختیار تھی کہ اپنی بے روک طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکتے تھے۔ اور اس
 اختلاف مذاق و طبیعت کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی تو حضرت جنید آپ سے باہر ہونے والے

مرید کو اپنی قوت کمال سے روک دیتے اور کبھی اُس کے اثر سے یہاں تک متاثر ہوتے کہ خود بھی بیتاب ہو جاتے۔

حضرت جنید کی صحبت میں ابو بکر شبلی کا پہلا رنگ تو یہ تھا کہ ایک بار اُن کی زبان سے کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ نکل گیا۔ جنید نے فوراً ٹوکا اور ارشاد فرمایا یہ کلمہ کسی بات سے تنہا آبلے کے خیال کو ظاہر کرتا ہے۔ اور رنگ آجانا رضی برضا ہونے سے دست بردار ہونے کا نام ہے۔ عرض کیا بجا ارشاد ہوا۔ قابل ظاہر بیخون کو اس پر اعتراض ہو گا۔ لیکن خود واقعہ بتا رہا ہے کہ حضرت جنید نے لا حول چڑھنے سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی پر نہ راضی ہونے سے روکا۔ اور یہ تعلیم اسلام کی اعلیٰ تعلیموں کی جان ہے۔

ایک مرتبہ ایک خراسانی جوان حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کا عصا اور اُس کی چھانگل لے کے اپنے پاس گھر میں رکھ لی راؤ ٹھہری۔ اتفاقاً اُسی رات کو آپ کے مریدوں کی ایک صحبت ہونے والی تھی۔ لہذا آپ نے بعض اصحاب کو بلا کے فرمایا۔ تیس نو جوان کو لے جا کے اپنے ساتھ رکھو۔ رات کو اپنی صحبت میں شریک کرو اور صبح کو میرے پاس لے آنا۔ اس محل میں کھانے کے بعد مریدان جنید میں کچھ مزاح ہونے لگا۔ اور اُس خراسانی جوان سے بھی شریک ہونے کی درخواست کی گئی۔ اُس نے انکار کیا۔ بلکہ ان سب لوگوں کو الزام دینے لگا کہ آپ کا یہ کام نہیں۔ شبلی تمام مریدان جنید میں پُر جو ش تھے اُس پر نگاہ غیظ و غضب آئی۔ اور کہا اچھے بیٹھے رہو۔ ورنہ شاٹھ کے سر اُڑا دوں گا۔ یہ سن کے وہ خاموش ہو۔

اور پھر سب کی نظر بھاگے نائب ہو گیا۔ دوسرے دن جب یہ واقعہ حضرت جنید کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے ٹھہر مین جا کے دیکھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا عصا اور بھاگل بھی غائب ہیں۔ سمجھ گئے کہ وہ کوئی صاحب تصرف شخص تھا۔ باہر آئے اپنے مریدوں پر خفا ہوئے۔ اور فرمایا "میں کئی بار تم لوگوں سے کہ چکا ہوں کہ کوئی ایسی شخص آیا کرے تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ نہ کیا کرو۔ خدا کی قسم مجھے خبر بھی نہ ہونے پائی اور وہ اپنا عصا اور بھاگل اٹھا لے گیا تھا۔"

شاید یہ واقعہ حضرت شبلی کے پہلے پہل آنے کا ہو۔ کیونکہ آپ کی زندگی میں ہمیں اس قسم کا اور کوئی واقعہ کسی مستند و معتبر کتاب میں نہیں نظر آیا۔ اور نہ اور کبھی ہم نے جنید کو شبلی پر غصہ کرتے یا انہماک و اداسی فرماتے دیکھا۔ حضرت ابو بکر شبلی میں کجش تھا اور عالم باطن میں جنید کے ساتھ آپ کی دینی شان نظر آتی ہے جو کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تھی۔ اور ہمیں آپ سے کسی ایسی حرکت کا سرزد ہونا جو مرشد کو ناگوار ہو قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ خیر اگر ابتدائے زمانہ راویوں میں یہ مان بھی لیا جائے تو بعد کے زمانوں میں ہم حضرت جنید کو شبلی کا نہایت ہی قد و ان شیعہ مانتے ہیں۔ حضرت جنید کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیخ ابو بکر شبلی پر اکثر ایک مدحی کا عالم طاری رہتا۔ اور اس کا خیال بھی نہ رہتا کہ کون بیٹھا ہے اور کون کس خیال و مذاق کا ہے۔ ایک دن دریا کے وحدت میں ڈوبے ہوئے اور عشق الہی سے بیتاب و بے قرار عجب مستانہ وضع سے اپنے مرشد حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سامنے آ کے

ادب سے لکھ رہے ہو گئے۔ اور اتنا رہے کی میثابی کے ساتھ ہاتھ پیر ہاتھ مارا۔ اور جوش
خروش سے وہ اشارہ پڑے۔

عَزَّوَجَلَّ نُوْصَالُ الْوُضَلِ عِنْدَ بَيْتٍ ۝ وَسِرْمُوْنِيْ بِالْقَسْدِ وَاصْدُ صَعْبٍ
بجے وصل کا عادی بنایا، اور وصل شیریں ہے۔ اور وگردانی سے بجے زخمی
کیا اور وگردانی بڑی دشوار چیز ہے۔

زَعَمُوْا اِحْيَيْنَا زَمْعُوْا اِلَيْكَ ۝ فَمَا حَتَّى لَقِيتُمْ وَمَا ذَاكَ ۝ اَنْتَ فَرَسٌ
بجے زخمی کرنے کا ارادہ کرنے وقت وہ سمجھے کہ میرا گناہ یہی ہے کہ بجے اُن سے
زیادہ محبت ہے۔ حالانکہ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

اَلَا وَتَقِيْ الْقَصُوْجَ عِنْدَ الْمَسْلٰقِ ۝ مَا يَجُوْا مِنْ حُبِّ اَنْ لَا يَشِيْثَ
اُس فردنی کی قسم جو وصال کے وقت ہوا کرتی ہے محبت کرنے والے کی سزا
یہ تین سے کہ محبت ہی نہ کرے۔

یہ اہم شعر جنید نے بھی میثابی کے ساتھ پڑجوش و ہرست شعر پڑھا۔
وَسَلِّتْ اَنْ تُرَاكُ فَاَنْتَ اَمَّا يَنْسَا ۝ فَكَلْبَتْ وَخَشَعَتِ الْكُرُوْهُمُ مَرَكًا ۝ لَبَّكَ
اور مجھے تیرے دیکھنے کی تمنائی۔ لیکن جب تجھے دیکھا تو سر کی حریت اس قدر
حار ہوئی کہ جوش گریہ کو نہ روک سکا۔

حضرت جنید کے حالات میں تاثر میں اس واقعہ کو بھی غماز کر چکے ہیں۔ ہر قسم
ضروری بنائیں کہ انہی بکری شہابی کے واقعات میں بھی اس کا عاودہ کرتے ہیں کہ شبی ایک
دن نے خدمت کے فرائض میں پھرستانہ وضع سے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جناب جنید کی بی بی جبارت زمانہ شوہر کے پاس بچی ہوئی تھیں۔ ایک نامحرم مرید
 کو آتے دیکھ کے ارادہ کیا کہ اٹھ کے پردے میں چھپ جائیں۔ مگر جنید نے رد کا اڈو
 فرمایا: "کمان جاتی ہو؟" شبلی اس وقت اپنے آپے میں نہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ بیان
 مروجہ ہیں۔ وہ تو عاقب ہیں۔ اور عالم باطن کی سیر کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں
 تعین پہنچنے کی ضرورت نہیں۔ شوہر کی زبان سے یہ کلمات سن کے بیجاری اُٹھتے
 اُٹھتے پھر بیٹھ گئیں۔ اور شبلی اندر آئے جن سے جنید سے کچھ باتیں ہوئیں۔ اتنا
 گفتگو میں شبلی پر یکایک پھر ایک حالت طاری ہوئی۔ اور رنگ متغیر ہونے لگا۔
 یہ رنگ دیکھتے ہی جنید نے بی بی سے فرمایا: "تھارے پیچھے کا وقت آگیا۔ کیونکہ شبلی
 عالم باطن سے ظاہر کی طرف آ رہے ہیں۔ اب تم اٹھ کے پردے میں چلی جاؤ۔ وہ
 اٹھ کے پردے میں چلی گئیں۔ اور شبلی پھر اسی عالم ظاہر میں تھے۔ بعض متغیر رنگ
 سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کا وہ اشعار پڑھنے کا ذکر سابق واقعہ اور یہ جنید
 کی بی بی کے سامنے آنے کا واقعہ دونوں ایک ہی وقت میں گزرے ہیں وہ اشعار
 شبلی نے اسی محترم قاتون کے سامنے پڑھ گئے۔

اب جذبات وحدت نے شبلی کا یہ عالم کر دیا تھا کہ مرشد کو بھی اکثر خاموشی
 کے ساتھ ان کے خدشات تسلیم کر لینا پڑتے۔ چنانچہ جب انھیں حد سے گزرتے اور
 مضمی جذبات باطن کو حلانید اور ملی روکس الاشباہ و بیان کرتے دیکھا تو حضرت جنید
 نے روکا اور فرمایا: "میں ان رموز کو پوشیدہ بیان کیا کرتا تھا اور تم متبرون پر چڑھ
 چڑھ کے حلانید لگا کر تے ہو۔ خودی سے گزرے ہوئے پر جوش مہینہ عرض کیا میں ہی

کتابوں اور میں ہی سنا ہوں۔ میرے سوا دونوں جہان میں موجود ہی کو نہ ہو
 یہ صدیقی سنہ آتی ہے۔ اور حق کی طرف جاتی ہے۔ ذریعہ ان میں شبلی نہیں ہے۔
 یہ جواب ثانی سن کے حضرت جنید بولے یوں ہے تو تم جو چاہو کہو یہاں جو اس کے
 حضرت جنید آپ بھی اکثر یہی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے پیچہ کو مجھ یوں پر نہ ظاہر
 کیا کرو۔ مگر اس نصیحت پر عمل کرنا شبلی کے اختیار سے باہر تھا۔ بعض اوقات شیخ کے
 پسند و ناپسند پر آپ ایسی پُرکلفت قریض فرماتے کہ خود مرشد کا دل پھڑک جاتا ایک
 دن شہناو لکھنؤ میں حضرت جنید نے فرمایا "من طلب وجہ" (جس نے وجہ نہ چاہا یا)
 شبلی بولے جتا بلے نہ میں۔ یوں فرمائیے کہ "من وجہ طلب جس نے پایا وہی طالب ہے"
 "ہجہ اللہ محمد بن ابراہیم مانگ جو پندار ارقانی کے شاگرد تھے انھوں نے پکارا کہ
 سو برس کی عمر پائی تھی اور شیخ ابو بکر شبلی کو دیکھا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار
 جنید نے منبر پر پا کے فرمایا اسی جنید حاضر ہوئے مطلب یہ تھا کہ جنید (میں) اسی ہی موجود
 تھا شبلی نے ایک چوش و خروش کے ساتھ فوراً ٹوکا۔ اور کہا "طیبت مرام ہے" مطلب
 یہ کہ جنید کمان پر اس ذات وحدہ لا شریک کے کوئی نہ تھا۔ اور جب کہ جنید غائب تھے تو
 پھر ان کو ان کے پیچہ میں موجود ہوتا نصیحت ہے۔

ایک دن جنید نے پوچھا "تم حق تعالیٰ کو کچھ نگر یاد کرتے ہو؟ اس سے کہ نہ تم میں
 اس سے یاد کرنے کے قابل صدق ہے۔ اور نہ اس کے ذکر کی صلاحیت ہے" حضرت
 جنید کے اس قول میں صرف شبلی صاحب عین بلکہ انسانی حالت و فطرت کی نسبت
 کیا گیا ہے کہ اس میں خدا کا ذکر کرنے کے مناسب صدق اور اس کا نام زبان پر

لانے کی اہلیت نہیں ہو سکتی شبلی نے کہا "میں چشیت مجاز اس کو اس قدر یاد کرتا ہوں کہ وہ چشیت حقیقت خود ہی میری طرف توجہ کرتا اور ایک بار مجھے یاد کر لیا ہے۔" وہ ایسی بھی اور زپہ کی بات تھی کہ حضرت جنید سا حناطہ و شیشی بھی ایک غلام دار کے بیوش ہو گیا سرشد کی یہ حالت دیکھ کے شبلی کی زبان سے نکلا "رہنے بھی دو کیونکہ اس دربار میں کبھی خلعت ملتا ہے اور کبھی تازیانہ"۔

ان باتوں سے جنید شبلی کے کمال روحانی کا لوہا مان گئے تھے چنانچہ ایک دن شبلی کو شوق و وجہ کے غلبے سے تھک رہا تھا وہ دیکھ کے کہا "شبلی اگر تم اپنا کام حق تعالیٰ پر چھوڑ دو تو راحت پاؤ گے" شبلی نے جواب دیا "یون تو نہیں۔ لیکن ان اگر حق تعالیٰ میرا کام بھرا چھوڑے تو البتہ راحت پاؤں۔" جنید نے جتنے ہی بے قاشاکہ اٹھے شبلی کی تھوڑے خون چمکتا ہے۔

بغین باتوں کی وجہ سے حضرت جنید کے ساتھ شبلی کو ایسی خصوصیت حاصل ہو گئی تھی کہ ان کی مجلس میں جو قدر و منزلت ملتی ہوئی کسی کی نہ تھی چنانچہ ایک مرتبہ حضرت جنید نے اپنے عزیزوں اور حاضرین صحبت سے فرمایا "تم لوگ باہم ایک دوسرے کو بس آنکھ سے دیکھتے ہو اس آنکھ سے شبلی کو نہ دیکھا کرو۔ کیونکہ یہ ایک آنکھ ہیں اللہ کی آنکھوں میں سے۔"

ایک بار جنید نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر شبلی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ صبح اٹھتے ہی شبلی سے یہ کیفیت بیان کر کے پوچھا "تم ایسے کون سے اعمال کیا کرتے ہو؟" انھوں نے عرض کیا کہ نماز مغرب کی سنت رکھتا ہوں۔

دور کمت نفل چڑھا کرتا ہوں۔ اور اُن میں آئیے کر لیں لفظ جاع کہ رسول میں افضلی
 جو بڑا حاضر و پڑھا کرتا ہوں۔ سُن کے جنید نے فرمایا میں نے شک یہ اسی کی برکت
 ہے۔ غایتاً اسی معاملے کو ملاحظہ فرمائیے اور نیز دیگر حالات باطن کا اندازہ کر کے
 اکثر فرمایا کرتے تھے "ہر قوم کا ایک تلج ہوا کرتا ہے اور شبلی اس قوم کے تلج ہیں"
 اور یہ مجھ مرشد کی خدمت میں اب اس قدر نیاک ہو گئے تھے کہ اپنے
 جذبات پاکیا منی کے جو ش میں جو چاہتے کر گزرتے۔ چنانچہ ایک دن حضرت جنید
 کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن کی صورت دیکھی۔ اور ہاتھ بڑھائے اُن کے
 حجامے کی بندشیں بگاڑ دی جنید نے تو تعریض میں کیا۔ مگر حاضرین نے متحیر ہو کر
 پوچھا کیا؟ "ہوئے" بے اس وقت یہ پگڑی جنت ہی بھلی اور خوشنما معلوم ہوئی۔
 اس لیے میں نے اُسے بگاڑ دیا یعنی میں اپنے مرشد کے لیے زینت دیوی کو نہیں
 پسند کرتا۔

لیکن باوجود ان قدر دانیوں اور ایسی قربت کے راز و نیاز کے حضرت
 جنید نے اپنی مرشدی اور اُستادی کی وضع نہیں چھوڑی تھی۔ کبھی کوئی ایسی بات
 نہ ہونے دیتے جس سے شبلی کا نفس موٹا ہو۔ ایک دن خدمت میں بہت سے مرید
 اور عقیدہ کشیں حاضر تھے۔ اور شبلی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے شبلی کی طرف
 شروع کی کہ ان میں صدق ہے ذوق و شوق ہے۔ اور یہ ایسی باتیں ہیں جو
 اور کسی میں کم نظر آتی ہیں۔ حضرت جنید بولے غلط کہتے ہو۔ یہ تو مردود اور خدلسے
 دور ہے۔ پھر حکم دیا کہ "شبلی کو میری صحبت سے نکال دو" جب شبلی اس حکم کے

معاہق نکالے جا چکے تو ارشاد فرمایا "تمہاری یہ تعریف تعریف نہ تھی بلکہ ایک تلوار تھی جس سے تم شبلی کو قتل کیا چاہتے تھے۔ اگر میں نے اختلاف نہ کیا ہوتا تو اس کا نفس سرکش ہو جاتا۔ وہ تمہارے اس حربے سے ہلاک ہونے ہی کو تھا کہ میں نے ایک سپرد میان میں کر دی اور اُسے بچا دیا۔"

حضرت جنید کے بعد بھی شیخ ابو بکر شبلی کو اپنے مرشد کا دیا ہی ادب و خاک رہتا جیسا پاس ادب کہ اُن کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن جنید مرحوم و محفوظ کی تربت پر کھڑے ہو گئے تھے کہ کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے بھائے جواب دینے کے یہ شعر پڑھ دیا۔

انی کب استجیبت فی المزارب بیننا کاکنت استجیبت وهو یراینا
اس وقت جب کہ وہ ہمارے سامنے خاک میں مدفون ہیں میں اُن سے
وہی ہی شرم کرتا ہوں جیسی شرم اُن سے اُن دن کرتا تھا جب وہ بچے دیکھتے
ہوتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں پیر اور مرید گزرتے ہیں مگر جنید اور شبلی کے
سے مراد مرید کم نظر آئیں گے جس طرح اب کسی مرید کو جنید کا سامر شد ملنا دشوار ہی طرح
شبلی کا سامرید بھی چراغ لے کے ڈھونڈیے تو کسی مرشد کو نصیب ہوگا۔

مزاج طبیعت۔ اخلاق عادات۔ اور عام واقعات

باوجودیکہ شبلی کے جذبہ جوش اور بے اختیار و از خود رنگ کی کوئی انتہا

نہ تھی مگر ان دونوں اور قہرون میں نہ تھے جو شیخ شریف کی طرف سے عاقل
 وہے پروا ہو جاتے ہیں۔ آپ کے شیخ حضرت جنید بعد اوی ہی کی نصیحت تھی کہ
 سوا حضرت رسالت صلم کے نقش قدم پر چلنے کے خلقت پر تمام راستے بند ہیں یہ
 غلام پیہر کے رہ گزید کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہر رسید

چنانچہ فرائض دین کے پورے پورے بند ہوئے۔ نماز روزہ اور عبادت الٰہی میں پیشہ
 مشغول دھنک رہتے۔ اور اس صدمے زیادہ انناک سے طبیعت میں ایک
 اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اس اضطراب کے ساتھ یہ کیفیت تھی کہ شیخ عطر
 نبوی صلم کی تعظیم میں بہت مبالغہ کرتے۔ رمضان مبارک کا مہینہ آتا تو عبادت کیلئے
 خاص اہتمام اور بے انتہا کوشش فرماتے۔ اور کہتے اس مہینے کی میرے پردگار
 نے تعظیم کی ہے تو پھر میں تو اس کی تعظیم کرنے کا اور زیادہ مستحق ہوں۔

لیکن روحانی تعلیم اور صفائے باطن کی برکت سے اس زہد و اتقا میں کسی
 قسم کا عجب و کبر نہیں پیدا ہونے پایا تھا جیسا کہ اکثر متقین میں پیدا ہو جاتا ہے
 فرماتے تھے "میرا ٹیکہ عمر و دنیا ہے۔ اور انکا رعب لاشی پکڑ کے بے چہتا
 ہے۔" مرنے والا قدم دنیا کی حالت دیکھ کے فرماتے "میں چار بلاؤں میں مبتلا
 ہوں۔ (۱) نفس (۲) دنیا (۳) ہوا (۴) شیطان۔ اور تین بڑی بیماریاں ہیں
 مجھ پر اڑتی ہیں۔ (۱) حق میرے دل سے دوسرے (۲) باطل حق کی جگہ آ کے بیٹھ گیا
 ہے (۳) ایسا شخص کا فر کہتا ہوں جس کو اس کی دوا کی ذرا بھی فکر نہیں ہے اکثر فرماتے
 "میری ذلت نے یہود کی ذلت کو مٹا دیا۔ ایک شخص سے آپ نے پوچھا۔ اپنا

حال بیان کرو "میں نے کہا" میں حرف بکے نیچے کا نقطہ ہوں "یعنی نہایت حقیر چیز ہوں۔ آپ نے سن کے فرمایا "تم میرے گواہ ہو جب تک اپنے لیے کوئی کلمہ نہیں حسین کہتے" آپ کے انگار کی یہ حالت تھی کہ فرمایا "ایک مدت سے ارادہ کرتا ہوں کہ جی اللہ کون۔ مگر جب کتب پر آمادہ ہوتا ہوں دل میں خیال گزرتا ہے کہ کیوں جھوٹ کہتا ہے۔ اور میں کے میں خاموش ہو جاتا ہوں"۔

عبدالرحمن خراسانی جو آپ کے خدشہ جیتان بلخ ولایت میں سے تھے کہتے ہیں کہ ایک تہیہ شخص نے حضرت شیخ شبلی کے دروازے پر جا کے دستک دی۔ آپ کھڑے ہوئے تنگے سرور بیچہ پون باہر نکل آئے اور پوچھا کہ "یو چھتے ہو؟" مجھے کہ "شبلی کو سنتے ہی ہوتے تم نے نہیں سنا؟" مات کا نرا بظاہر جو اللہ ادا کا فرم گیا خدا اُس پر رحم نہ کرے۔

ڈپر دیا صفت نے آخر الامر آپ کے دل میں رنج و الم اور تکلیف مصیبت کی گوارائی پیدا کر دی تھی رنج ہے اُس ہو گیا تھا۔ اور تکلیف میں ایک مزہ تھے دکھ تھا۔

پہنچہ درگاہ حضرت رب العزت میں دعا کیا کرتے کہ خداوند! خلقت تیری نعمتوں کی وجہ سے تجھ سے محبت کرتی ہے اور میں تیری بناؤں کے باعث تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور حقیقت آپ کو دنیوی سامان عشرت سے باطن نفرت تھی چنانچہ ایک دفعہ جوش میں آکے بارگاہ اسی میں دعا کی کہ "خدا یا دنیا و آخرت دونوں مجھے بخش دے تاکہ دن و دنوں کا ایک نوالہ بنا سکے کسی بیوہ کے منہ

میں رکھ دوں جس کے بعد یہ دونوں پر دس خلقت کے آگے سے اٹھ جائیں اور اہل عالم منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ یہودیوں کا حربہ یسوع مسیح اور انتہا درجے کا دنیا طلب ہونا یورپ میں بھی مشہور ہے۔ اور مسلمانوں کے عہد اولین میں بھی مشہور تھا۔ لہذا اس تمام سامان عیش کے دینے کے لیے ایک یہودی کو منتخب کرنا حضرت شبلی کا ایک بڑا شاعرانہ کمال ہے۔ اور یہی یہ ہے کہ اس خیال کو انھوں نے نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

عبادت و ریاضت کے ساتھ اتنا بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔ چنانچہ اپنے اوپر عہد کر لیا تھا کہ سوا اکل حلال کے کچھ نہ کھائیں گے۔ پھر اس پر بے نفسی اور کیسوی ہنس جلا کی تھی کہ بعض افعال سے جو خلوص اور بے جوش بے نفسی کا نتیجہ ہوتے جنوں کی جھلک نمایاں ہو جاتی۔ ایک دن تھے کپڑے پہنے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہمارے اٹھیں آگ میں رکھ دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو تشریح کے بھی خلاف ہے: فرمایا "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ اَلَمْ دَعَا لِقَدْوَن مِّنْ دُونِ اللّٰهِ حَصْبًا يَّهْمُ لَهُمْ اَوْ جَنِّ حَزِيْرٌ مِّنْ كَوْمٍ يُّوْحِبُوْنَ سُبْحَانَ الَّذِيْ فِيْ يَمِيْنِهِ مَلَكُوتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اور اس وقت اس لباس کی طرف میرا دل مائل ہو گیا تھا۔

بعض اوقات انھیں خیالات سے جوش میں آکے اپنے کپڑے بھاڑ ڈالتے تھے۔ اور لوگ سمجھتے کہ جنون ہو گئے ہیں۔ ایک ایسے ہی اتفاق سے موقع پر کسی نے کہا "آپ نے اپنے سب کپڑے بھاڑ ڈالے ہیں۔ اور عید سر پر آگئی۔ لوگ تو اس دن

زیب و زینت کے ساتھ نئے کپڑے پہن کے آئین کے اور آپ کی یہ حالت ہوئی
 فرمایا "تھیر کی زینت اس کا فقر اور اس فقر پر صبر کرنا ہے" ایک مرتبہ عید کو رہا
 کسی کے کھنے بھنے) دو نئے کپڑے پہن لیے۔ مگر جب عید گاہ میں گئے تو دیکھ کہ
 لباس کے امتیاز کا محاذ کر کے لوگ ایک دوسرے کو سلام کر رہے ہیں۔ دنیا پرستی
 کی یہ تصویر دیکھتے ہی ان کے دل میں کچھ ایسا جوش پیدا ہوا کہ اپنے وہ دونوں نئے
 کپڑے اُتار کے ایک نور میں ڈال دیے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت کیا ہجرا
 دیا۔ میرے دل میں آئی کہ میں چیز کی یہ لوگ پرستش کر رہے ہیں اُسے جلا وطن
 اور اس کے بعد اپنا معمولی زرد و سیاہ فقیرانہ لباس پہن لیا۔

صلی اللہ علیہ وسلم ابو عبد اللہ رازی جو نیشاپور میں اقامت گزین ہو گئے تو بیان
 کرتے ہیں کہ ابن انباری نے مجھے ایک صوف کا کپڑا بچایا تھا۔ اور اُس کے بعد
 اقلقا میں نے شیخ ابو بکر شبلی کے سر پر ایک عمدہ ٹوپی دیکھی جو اُس صوف کے لباس پر
 میزبون اور اُس کے چوڑی قمی۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش یہ دونوں
 چیزیں میرے پاس ہوتیں۔ انھوں نے اُس ٹوپی کو کچھ ایسی لالچ کی نگاہ سے دیکھا
 تھا کہ شبلی ان کے دل کی ہوس پرستی کو سمجھ گئے۔ جب اُس صحبت سے جس میں
 تھے اٹھ کے چلے تو ابو عبد اللہ رازی کی طرف پھر کے دیکھا۔ ابو عبد اللہ کہتے ہیں
 یہ اُن کا معمول تھا کہ جب مجھے ساتھ لیا جاتا ہوتا تو اُنھے وقت میری طرف دیکھ لیا
 کرتے۔ چنانچہ یہ اشارہ پاتے ہی میں اُن کے پیچھے ہوتا۔ اپنے گھر میں پہنچنے کے
 لمحے بھی اندر دیکھ لیا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر مجھ سے کہ "بچا یہ صوف کا کپڑا تارو"

مے اکار تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ بٹ کے عریہ خاص، ابکیشی کو ہم وہی لباس پہنے دیکھتے ہیں جسے جینہ نے اپنے لیے ناپسند کیا تھا۔ بعض کو تو اندیش حضرت مجیب پر اعتراض کر بیٹھیں گے کہ انچہ پر خود پسندی پر دیگران پسند۔ لیکن اتنے بڑے بزرگ پر ایسی ذلیل نکتہ چینی کرنا گستاخی ہے۔

لباس کی بحث آج کل بھی اکثر چڑا کرتی ہے۔ کیونکہ انقلاب زمانہ اوامارت معاشرت کا مذاق بدل جانے سے ہندوستان ہی نہیں ساری دنیا کے مسلمانوں میں انگریزی لباس روز بروز زیادہ رواج پذیر ہوتا جاتا ہے۔ کتنے خیال بزرگ فرطتے ہیں کہ تمہیں تشبہ بقوم یھودیہم۔ ان لوگوں کا مشربی عیسائیوں ہی کے ساتھ ہو گا۔ نئے خیالات والے آزاد مشرب کہتے ہیں کہ اسلام ساری دنیا کے لیے ہوس نے کوئی توردی مخصوص نہیں کی۔ اور یہ حدیث اگر صحیح ہو تو بھی معاملات دینی کے ساتھ مخصوص ہے نہ معاشرت سے۔ ورنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ رومی پہنا ہے جو اس دور کا انگریزی کوٹ تھا۔

۔۔۔ بچہ یہ ہے کہ اب ان تنگ خیالیوں کا زمانہ نہیں رہا۔ ایسے امور کو زیادہ تر تعلق انسان کی نیت اور اس کے مقصد و غرض سے ہوا کرتا ہے۔ ہر طبقہ اور ہر گروہ کی ایک وضع ہوتی ہے۔ اور اس کا کوئی نہ کوئی زی و لباس ضرور ہوا کرتا ہے۔ اس زی میں ہونا بغیر زبان سے کہے بتا دیا کرتا ہے کہ یہ شخص اس گروہ اور طبقہ سے علاوہ رکھتا ہے۔ اس کی ضرورت دین کو نہیں بلکہ معاشرت کو اور دنیوی سماجی کو ہے۔ تاکہ صورت دیکھتے ہی شخص کے ساتھ اس کی شان و حالت کے مناسب تاؤ کیا جاسکے۔ لیکن علماء و شایخ چونکہ قوم کے مقتدا اور سربراہ ہوا کرتے ہیں لہذا ان میں اکثر

اسی لباس کے پہلے سے ریاکاری و نمود اور تجمل و خیلا و غرور کی شان پیدا ہو جاتی ہے جس سے سبکے عالمانہ اور رویشانہ زری میں دو جہتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ یعنی ممکن ہے کہ کوئی ریاکاری و خیلا سے بچنے کے خیال سے اُسے ترک کر دے۔ اور کوئی یہ خیال کرے کہ میں جس گروہ کی وضع اختیار کروں گا۔ اُسی گروہ کے خضائل و طاقت اختیار کرنے کا شوق دل میں پیدا ہوگا اُسے اختیار کر لے۔ اگرچہ دونوں کے مذاق میں اختلاف اور ہون بید ہے مگر دونوں شخص اپنی جگہ پر نیک نسبت ہیں اور کمال پاکبازی کا ثبوت ملے ہے۔

حضرت جنید اس قدر مشہور و معروف تھے کہ ضرورت نہ تھی فقیرانہ لباس کو ذریعہ تعارف قرار دین۔ بخلاف اس کے اُن کے مریدین کے لیے فقیرانہ وضع کا قائم رکھنا لازمی تھا۔ کیونکہ اگر لوگ درکنار بعض کو شاید بعض اوقات خود بھی بھول جاتا کہ ہم درویش ہیں یا کوئی دنیا دار۔ رہا یہ کہ حضرت شبلی نے ارادت کے موافق ملے کر کے جب ارشاد کا درجہ حاصل کر لیا تو اُس وقت بھی اس لباس سے کیون نہ کنارہ کشی کی اس کا فیصلہ مناسب تھا کہ ہم حضرت شبلی ہی کے مذاق و خیال پر چھوڑ دیں۔ مگر یہ نہیں اپنی بے نفس طبیعت پر اطمینان تھا کہ اُن کا طریقہ کبھی دلیق سالوس نہ بنے گا۔ اور کبھی کیر و غرور میں نہ مبتلا ہوں گے۔ اور اپنے فقیرانہ مشاغل کا شوق قائم رکھنے کے لیے وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ اُس مقدس گروہ کے زری و لباس کو چھوڑ دیں۔ اسی طرح آج کل کے کوٹ پتلون پہننے والوں کی نسبت بھی ہمیں کوئی عام رائے قائم کر دینی چاہیے کیونکہ ان میں بھی مختلف مذاق و مقاصد کے لوگ ہیں۔ اور ان کے لیے بھی مختلف جہتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بعض اسے آج کل کی وضع امارت تصور کرتے ہیں۔

بعض اس میں پھر تیار ہیں یا اور قسم کی معاشرتی سہولتیں اور خوبیاں پاتے ہیں بعض
 بلبے میانیوں کے اسے ترکوں کا لباس خیال کر کے اختیار کرتے ہیں۔ اور شاید
 نادر ہی کوئی ایسا مسلمان ہوگا جو محض اس لیے انگریزی لباس پہنتا ہو کہ عیسائیوں
 کا لباس ہے۔ اور سب سے بڑی اور صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کو اپنی مسئلہ بنانا
 ہی غلطی ہے۔ کیونکہ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہ ایک معاشرت و سوسائٹی کا
 مسئلہ ہے۔ اور دنیوی امتیاز و تعارف کے لیے ہے نہ ثواب و عقاب حاصل کر کے لیے
 حضرت شبلی اگرچہ عموماً زور رنگ لباس پہنتے تھے مگر کبھی کبھی سیاہ لباس
 بھی پہن لیا کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عید کے دن سیاہ کپڑے پہنے و جدوجہد کی
 حالت میں نظر آئے۔ لوگوں نے پوچھا "حضرت یہ سیاہ کپڑے کیوں؟" فرمایا "خلقت
 کی مصیبت کے غم میں اس لیے کہ خدا سے غافل ہے اگر"

حضرت شبلی گو خود خرقہ پوش تھے مگر ناشی خرقہ پہننے والوں کی نسبت ان کے
 جو خیالات تھے ان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن ایک شخص ان کی
 خدمت میں حاضر ہو کے عرض کیا کہ آپ کے اصحاب اور مریدوں کی ایک جماعت
 آئی ہے۔ اور وہ لوگ جامع مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آپ ان سے ملنے کو تشریف
 لے گئے تو دیکھا کہ سب کے سب خرقہ پہنے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہی فرمایا "اما الیہ نام
 فانتھا کفنا ہم وادی فناء الہی فہو سادھا" (خیرے تو ان دیسے ہی ہیں مگر بید کی
 عورتیں دوسری معلوم ہوتی ہیں) یعنی لباس تو بے شک تارک الہ یا بزرگوں کا
 سا ہے مگر پہنے والے دیسے نہیں بلکہ نفس پرست ہیں۔

عید تذکرۃ الاولیاء۔ ص ۱۰۰ نمبر ۱۰۰ میں (تیسری جلد) ص ۱۰۰ میں

آپ کا معمول تھا کہ بعد از عین جامع منصور کے اندر رقیہ ابو عمران کے حلقہ درس کے برابر بیٹھ کے خلق اللہ اور طالبان حقیقت کو روحانی درس دیا کرتے۔ اور اگر وہ میرٹھ کا حلقہ ہو تا۔ آپ کے خادم ابو بکر اصفہانی بھی اس حلقہ فیض میں شریک رہا کرتے۔ انھیں کا بیان ہے کہ ابن سمون جو بعد کے زمانے میں ایک بڑے اعلیٰ پایے کے ولی کامل ہوئے ہیں اور "الناطق بالحق" کے قلم لقب سے مشہور تھے ان کا بچپن کانٹا تھا۔ ایک نہایت ہی پُر خلعت ٹوپی بالکین کی وضع سے پہنے ہوئے بچوں کی طرح وہ مسجد میں داخل ہوئے شبلی کے قریب آئے۔ اور بغیر اس کے کہ انھیں سلام بھی کریں آئے بڑھ گئے۔ دو بیٹھے پھیرے جارہے تھے کہ شبلی نے ان کی طرف اشارہ کر کے محمد سے کہا "ابو بکر جانتے بھی ہو کہ اس بچے میں خدا کے کیا کیا ذخیرے ہیں؟"

یہاں حضرت شبلی کی فصیح البیان، اکثر اوقات ابو عمران کے حلقہ درس کے طلبہ کو خاموش کر دیا کرتی۔ اور ان کا وعظ سننے کے شوق میں وہ اپنا درس بھول جایا کرتے۔ ایک دن ابو عمران کے طلبہ نے اپنے زعم میں خیال کیا کہ کوئی فحشی مسئلہ پوچھ کے ہمشبلی کو خاموش کر دیں گے۔ یہ اور مجمع عام میں شبلی کی ہلکی ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے آپ سے مسئلہ پیش پوچھا۔ انھوں نے اس مسئلہ میں علماء ملت اور مجتہدین کے اقوال بیان کرنا شروع کر دیے۔ پھر ان کے باہمی اختلافات بتلئے۔ غرض ایسی ہی تھی اور نیز اثر تشریح کی کہ تھا "سامعین بہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔ اور خود ابو عمران نے خود کے شبلی کے سر پر ہوسہ دیا۔ اور کہا "ابو بکر میں نے اس مسئلے میں بارہ نئی باتیں تم سے حاصل کیں۔ جن کو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔"

تم نے جو کچھ بیان کیا اس میں سے صرف تین امر مجھے معلوم تھے۔
 میں صحبت تھی جس میں مہتر بیچہ بیچہ کے وہ ان رموز عرفان اور باریک حکم
 وحدت کو بیان کیا کرتے جن کی نسبت حضرت جلیلہ کو خاص طور پر افتاد کا اہتمام رہتا
 اور بار بار حضرت شبلی سے سنے کہ عجوبہ پر نہ ظاہر کیا کرو آپ اس صحبت میں ہر قسم
 کی ایسی تعلیم دیتے اور مریدین کے شکوک و شبہ کرنے کے لیے اس قدر مستعد ہوتے تھے
 کہ کبھی اگر ایسا اتفاق ہو جاتا کہ صحبت ذرا سست پڑ جاتی، اور کوئی طالب حقیقت
 کوئی بات نہ پوچھتا تو جوش میں آسکے کہ 'مختے' ووقع القول علیہم بظلموا فہم لا
 یخفون۔ ان کے ظلم کی وجہ سے ان کی نسبت خدا کا جو کتا تھا پورا ہوا۔ لہذا ان کے
 سنیہ سے بات نہیں نکلتی۔

زندگی میں بار بار بیمار ہوئے ہوں گے۔ مگر صرف دو بار ایسا اتفاق ہوا کہ لوگ
 انھیں بیمارستان یعنی دارالشفائین آٹھالے گئے۔ لیکن وہاں بھی ان کی ولایت
 وقامت اور راضی برضا سناتے ہی ہونے کی شان قائم رہا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک سہا
 طبیبت نے کہا: "پرہیز کیجیے۔ کتنا کس چیز سے جو قسمت میں ہے اس سے یا اس سے
 جو نہیں ہے، جو چیز تقدیر میں لکھی ہے وہ ہر طرح پہنچے ہی گی۔ رہی وہ جو نہیں ہے۔
 اسے میں چاہوں بھی تو نہیں مل سکتی ہے۔"

سنہ ۱۳۰۰ھ میں ہندوستان کے علی بن عیسیٰ کو خلعت وزارت سے سرفراز فرمایا
 تھا جس نے سنہ ۱۳۰۱ھ میں دولت عباسیہ کی وزارت کا چارج لیا اور ایک نفع رسانی

میں ۱۳۰۵ھ میں مرآۃ الجنان نامی حالات سنہ ۱۳۰۵ھ میں مرآۃ البشریہ نامی

میں نجات الناس نامی جامع تذکرہ لکھا۔ ۱۳۰۰ھ

کے لیے بہت سے کام کیے مسجدین تعمیر کرائیں پُرانی مسجدوں کی مرمت کرائی۔
 ان میں فرش اور روشنی وغیرہ کا انتظام کیا۔ اماموں قاریوں اور موقوفوں کی تحویلات
 مقرر کیں۔ جابجا دارالشعائین قائم کرائیں۔ اُن پر نامی گرامی ائمہ مقرر کیے۔ اور دواؤں
 وغیرہ کے علاوہ مریضوں کے بآرام رہنے کا بھی بندوبست کیا۔ جہاں یہ سب انتظامات
 ہوئے۔ وہاں خدا کی قدرت کہ اسی سال سارے عرقین امراض ہو یہین لوگ معتقد
 مبتلا ہوئے کہ ہزار باخلقت مرگئی جتنی کہ بہت سے مکانون کے دروازے بند ہو گئے۔
 کیونکہ کوئی رہنے والا ہی نہ رہا تھا۔

انہیں دنوں اتفاقاً ابو بکر شبلی بھی سخت بیمار ہوئے۔ اور دارالشعائین لاکے
 رکھ گئے وزیر علی بن عیسیٰ آپ کے علم و فضل اور کمال باطنی کا معتقد تھا اسے خبر ہوئی
 تو فوراً خلیفہ وقت امیر ربانہ کو اطلاع کی۔ خلیفہ نے بھی شبلی کی بیماری کو اس قدر اہم
 اور تصور کیا کہ اپنے طبیب خاص کو جو افسر الاطباء ہونے کے شرف سے ممتاز اور ملت
 عیسوی کا پیر تھا آپ کے علاج پر مامور کیا۔ اُس نے بڑی توجہ سے علاج کیا۔ اور خدا
 نے آپ کو شفا عطا فرمائی۔ صحت کے بعد اُس دربار خلافت کے مہتمم طبیب ایک نون
 شبلی سے کہا خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے علاج کے لیے اپنے گوشت کا ایک
 ٹکڑا کاٹ دینے کی ضرورت ہے تو میں اس میں بھی مجھل نہ کرتا۔ بلکہ خوشی سے گوارا
 کر لیتا۔ سُن کے شبلی نے حجاب دیا۔ گزری یہی وجہ اچھا اور ہی ہے۔ حکیم صاحب نے
 پرچہ ۱۰۰۰ فرمایا۔ یہ کہ اپنی صلیب توڑ کے مسلمان ہو جاؤ۔ طبیب ان کے کمالات
 کا اس قدر معتقد ہو چکا تھا کہ حکم کی تعمیل میں ابھی تامل نہ کیا اور بلا تامل پیر وان میں

معدی میں داخل ہو گیا۔ جب یہ خبر خلیفۃ المسیحؒ کو پہنچی تو سُن کے ہولاً پہنچے
مریض کے پاس طیب کو بھیجا تھا یہ نہیں سمجھے تھے کہ طیب کے پاس مریض کو بھیجے ہے میں
خدا جانے یہ اسی زمانے کا واقعہ ہے یا کسی اور زمانے کا کہ بیمار ہوئے۔ اور
دارالشفا میں جا کر رہے۔ وزیر سلطنت (اُن دنوں جو کوئی ہو) عیادت کو آیا۔ اُس نے
اِس سے بہتر کثر ان کو یہ کہتے سنا تھا کہ سب صدیق کا معجزہ نہ ہو وہ عجوبہ ہے۔ آپ
اِس موقع پر اُس نے باتوں باتوں میں آپ کا یہ قول یاد دل کے کہا "ہاں یہ تو فرمایا
کہ آپ کا وہ معجزہ کیا ہوا؟" سنتے ہی جوشِ درخی کے لیے میں بولے "میرا معجزہ یہ ہے
کہ اللہ جل شانہ کے اوامروں کو ہی میں اُس کے حکم کی پیروی کروں یہ اور کچھ ہے
کہ یہی ہر مومن و مومنین کا معجزہ ہونا چاہیے۔ اِس واقعہ میں معجزہ لغوی معنوں میں
کرامت کے محل پر استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ متاخرین کی اصطلاح شرع میں معجزہ صرف
اِس خارقِ عادت واقعہ کو کہتے ہیں جو کسی پیغمبر سے ظاہر ہو۔

بیماری اور دارالشفا میں پڑے ہونے کے زمانے میں بھی آپ کے جذبات
و اکثر نظر جاتے۔ اور جوشِ وحدت کی بخودمان عجیب شان دکھا دیتین۔ چنانچہ
دارالشفا میں پڑے ہوئے تھے کہ چند لوگ نے کو آئے۔ آپ نے اُن سے پوچھا کہ
کون لوگ ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا "اِن ابا آپ نے پہچانا نہیں۔ ہم آپ کے دوست
اور احباب ہیں۔ بیمار سنا تھا۔ عیادت کو حاضر ہوئے ہیں۔ سنتے ہی آپ پر جو جذبہ
سوار ہوا تو تجربہ بینک پینک کے اُٹھیں مارنا شروع کیا۔ اور وہ سب بدحواس
بھاگے تب اُن سب نے چلا کے کہا "بھڑا میرے دوست ہو تو میری سبب پر صبر کرو۔"

اسرارِ باطن، جلد اول، صفحہ ۱۷۷، طبعاتِ انجمنِ اسلامی، لاہور، ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء۔

یہ بے صبری کیسی کہ بیان دے آئے ہو؟

یہ جوش جنون کی سی شان آپ پر زیادہ تر و نور عبادت اور جذبات و حدت
میں محو ہو جانے کے سبب سے طاری رہا کرتی تھی۔ اور بہت کچھ داخل اس میں
اس امر کو بھی تھا کہ متعدد جنون کو دیکھا۔ جن کی باتوں میں آپ کو نور حق کا جلوہ
نظر آگیا۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن بھول جن کا نام ہمارے فارسی شہر پیرین
بہت مشہور ہے اور باد جو جنون ہونے کے بھول وانا کے جاتے ہیں (میرے
ترب سے ہو کے گزرے۔ ایک زرگل پیردن کے نیچے تھا میں پر بچن کی طرح
سوار تھے۔ ہاتھ میں ایک گڑ تھا اور مقام جانہ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے
پوچھا بھول کہ چراکارادہ ہے؟ ہوتے، اللہ جل شانہ کے سامنے جائزہ دینے جا رہا
ہوں۔ یہ کہہ کے چلے گئے۔ اور میں خاموش ہو رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا ہوں
کہ بٹے چلے آتے ہیں۔ اور اس حالت سے کہ وہ زرگل جو ان کا گھوڑا اٹھاؤٹ گیا
ہے۔ اور دونوں آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو گئی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا
گدزری؟ جواب دیا اُس کے سامنے میں جا کے کھڑا ہوا۔ امید تھی کہ خادہوں
میں میرا نام کہہ جائے گا۔ لیکن جیسے ہی مجھے پہچانا ٹھکرا دیا۔ یہ کہہ کے بھول تو بچے گئے۔
مگر ان کے دل پر ایسا اثر نہیں چھوڑ گئے تھے کہ زندگی بھر سٹ سکتا۔

علیٰ بن ابی القاسم فرماتے ہیں ایک مجمعہ کو جامع رُصافہ کے پاس میں نے ایک
جنون کو دیکھا کہ نگاہ کھڑا ہے اور کہتا ہے میں اللہ سبحانہ کا شری ہوں! میں نے
کہ اللہ سبحانہ کے شری ہو تو پھر اُس کی مسجد میں کیوں نہیں آتے کہ کپڑے پہن کے

نارِ حرم میری یہ درخواست سُن کے اُس نے یہ دُکھ سُرخ ہے۔

يَقُولُونَ لَوْلَا اِذَا فَعَلْتَ مَا يَكُنْ جَزَاءُكَ فَقَدْ اَسْقَمْتَ بِمَا يَكُنْ جَزَاءُكَ

کہتے ہیں کہ ہماری زیارت کو آؤ اور ہمارے مفروضہ حقوق ادا کر۔ حالانکہ میری

حالت ایسی ہو رہی ہے جس نے اُن کے تمام حقوق میرے اوپے سے ساقط کر دیے۔

اِذَا ابْصَرْتُ اَحَدًا يَدْعُوْهُ اِلَيْهَا وَلَمْ يَأْتِ بِهَا اَنْفَعْتُ لَهَا مِمَّنْ

جب انہوں نے میری حالت دیکھی اور اُس کی پروا نہ کی اور اُس سے تعلق

نہ رکھا تو میں نے بھی انہیں اپنی طرف سے بے تعلق کر دیا۔

خود ہی ایک دفعہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک مجنون چلا

جاتا ہے اور بابائے کے لڑکے اُس کے پیچھے ہیں جو اُسے پھینک پھینکے پتھر

مار رہے ہیں۔ بیان تک کہ ان پتھروں سے اُس غریب کا سر پھٹ گیا اور سارا

سُرخ ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کے میں نے لڑکوں کو بھڑکا دیا اور ڈانٹا کہ کیوں

اس غریب کو ستاتے ہو؟ لڑکوں نے کہا تجاب آپ اس میں دخل نہ دیں۔

پھر اُسے بے مار سے نہ رہیں گے۔ کہیں تو کافر سے امین نے کہا تم نے کیسے

جانا کہ یہ کافر ہے؟ سب بولے "تجربہ اُس کے دل میں بسی ہوئی ہے کہ میں خدا سے

مٹا ہوں۔ اور اُس سے باتیں کرتا ہوں۔ تب میں نے کہا اچھا ذرا ٹھہرو۔ میں

اس سے دو دو باتیں کر لوں۔" پھر میں اُس مجنون کے قریب گیا تو دیکھا کہ پچھلے

آپ باتیں کرتا اور ہنس ہنس کے کہہ رہا ہے۔ پس یہ تو نے خوب کیا کہ لڑکوں کو بھڑکا

سقط کر دیا۔ تاکہ سائین : میں نے کہا " تم نے رتا بھی کر لیا کیا کہتے ہیں ؟ صو راہی
طرف دیکھ کے پہلے کہا " این اشلی " پھر پوچھا " کیا کہتے ہیں ؟ " میں نے کہا کہتے ہیں کہ
تم اپنے گمان میں خدا کو دیکھتے اور اُس سے باتیں کرتے ہو ؟ " یہ الفاظ سننے ہی اُس نے
جوش و خروش سے صرکھو مارا۔ اور کہا شبلی قسم ہے اُس ذات کی جس نے
مجھے اپنی محبت میں مبتلا کیا۔ اور پھر اپنے قرب و کھد کے در بیان میں اُنکار لکھا ہے۔
ایک چشم زدن کے لیے بھی اگر وہ میری نظر سے اوچل ہو جائے تو میں صدہ فراق
سے تڑپ تڑپ کے پاش پاش ہو جاؤں۔ پھر پشیم پڑھا۔

خیال اللہ عینی و ذکرکے سنے نے و مشواک فی قلبی فاین قہیب
ایتر اخیال میری نگہوں میں ہے۔ تیرا ذکر میری زبان پر ہے۔ اور تیرا مقام
میرے دل میں ہے۔ پھر تو کہاں چپکے جائے گا اور یہی شعر پڑھتا ہوا بھاگا
چلا آیا۔ اگر غور سے دیکھیے تو یہ واقعات بھولنے والے نہ تھے۔ اور ایک شخص کو جب کا
دل حضرت ابو بکر شبلی کا ایسا بخدا جانے کہا بنا دے سکتے تھے۔ ان سب پر طرہ یہ ہو اگر
انھیں دنوں حسین بن منصور حلاج کا واقعہ پیش آیا۔ جو انھیں کے مرشد حضرت خلیفہ
کے مرید۔ جذبات میں ڈوبے ہوئے۔ اور ایسے غفی احوال شخص تھے کہ خدا جانے کیا
تھے اور کس مذاق کے تھے۔ صوفیہ متاخرین اور تقریباً کل شعراء فارس نے انھیں
ایک ولی کامل۔ اعلیٰ درجے کا صوفی صافی۔ جذبات و وحدت میں غرق۔ ادما
قنابت کے درجے پر پہنچا ہوا شیخ باطن تسلیم کر لیا ہے۔ گو ان کی نسبت جیسے
تخلیقات ہیں مگر صوفیہ متاخرین کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے ہوش میں آکے لغو

”انا الحق“ بلند کیا یہ خلافت شرع شریفہ دعویٰ اگرچہ اہل ذوق کے ہوش باطنی کو
ناگوار ہونے کے عوض سچا معلوم ہو مگر طاعانی خلیفہ الکفنی بادشہ کے دربار میں شکست
پیش کی جس کے حکم سے اس عہد کے ملّا اور قاضیوں نے قتل کا فتویٰ دیا۔ اور
حسین بن منصور مصلوب ہونے کے بعد قتل کیے گئے۔

ظاہر ہے کہ خود اپنے ہی مرشد کے ایک مرید اور اپنے ہی مکتبہ عرفان کے
ایک طالب حق کو ایسی حالت میں مبتلا دیکھ کے آپ کے دل کی کیا حالت ہوتی
ہوگی؟ اور کیسے کیسے خیالات دل میں گزر رہے ہوں گے؟ تاہم اتنی احتیاط ضرور
تھی کہ جب منصور نے آپ کو اپنے ہم خیال و ہم عقیدہ لوگوں میں بتایا تو آپ اگرچہ
اس خیال و عقیدہ سے اپنی برأت ظاہر کی مگر حسین بن منصور مدیح کے قتل کا فتویٰ
دینے سے بھی ہاتھ روکا۔ اور جو کچھ فرمایا صرف اس قدر تھا کہ جس شخص کے ایسے
خیالات ہوں۔ روکا جائے جس امر میں کہ ابوالعباس عطار، بوہد اللہ خلیفہ
الہی قائم نصرت آبادی اور ابوالعباس سرخ کے ایسے نامی گرامی بزرگان زمانہ نے بھی
آپ سے اتفاق کیا۔ بلکہ متاخرین کی ایک روایت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ شبلی
نے چاہے صریح الفاظ میں علاج کے اقوال کی تصدیق نہ کی ہو مگر نہ ان کی ہیئت
تسلیم کر لی۔ اس لیے کہ علاج جب مصلوب کیے گئے تو شبلی سونے کے نیچے چھک پڑے
جوئے۔ اور ان سے کہا۔ ”اؤ کہتہ ہند علی العالمین“ ”لا یبقی اہل عالم پر شکرا کرنے سے
موسے قبیلہ نہیں بچتا تھا؟ جس قاضی نے قتل کا فتویٰ دیا تمناؤں کے بولا“ وہ
جانے تو پتہ نہ رہا کہ دعویٰ کر رہا تھا مگر یہ (شبلی) خدا کی کا بھی دعویٰ کر رہے ہیں
عبد نہیں ایسے۔ یا فضل ہد

شبلی نے اس کے جواب میں کہا جو یہ کہتے تھے دہی میں بھی گناہوں کا فرق ہے کہ دیوانگی نے مجھے بچا دیا۔ اور عقل نے انہیں تباہ کیا۔

لیکن ہمیں مذکورہ بالا واقعہ کے صحیح ہونے میں شک ہے کیونکہ ہمدانی کی یہ روایت زیادہ قابل وثوق ہے کہ حسین بن منصور کے قتل کے وقت جناب شبلی نے فاطمہ ثناء پورہ نام ایک عورت کو ان کے پاس بھیجا۔ اور اس کے ذریعہ چند باتیں دریافت کرائیں۔ جن میں ایک یہ تھی کہ تصوف کیا چیز ہے؟ اس کا جواب اہللاج نے یہ دیا کہ جو کچھ ہون میں ہی ہوں۔ کیونکہ میں نے بھلے لم بزل کبھی ایک گھڑی کے لیے بھی لذت والہ میں اختیار نہیں کیا۔

حضرت شبلی کو سب کے پہلے قاصد کا سبق دیا گیا تھا اور اسی وجہ سے آپ میں دنیا طلبی نام کو بھی نہ تھی۔ مگر دنیا بڑی چیز ہے۔ ایک آدمی اگر تہہ کسی دنیا دار سے کچھ درخواست کرنے پر مجبور ہوتا ہی پڑا۔

چنانچہ ایک ایسے پاس آدمی بھیج کے کچھ منگوا یا تو اس نے اعتراض نہ کیا۔ جس سے آخرت و عقبی کے طالب ہوا کرتے ہو اسی سے یہ بھی مانگو۔ یوں توسیع شبلی بہت ہی بے نفس بزرگ تھے مگر زہد و تقویٰ اور ریاضت و عبادت نے انہیں تہجد و خدا پرستی کے بارے میں بڑا ہی صاحب جلال بزرگ بنا دیا تھا۔ جواب میں کے پاس کد بھیجا کہ توفیل ہے اور دنیا بھی ذلیل ہے۔ اس کے مقابل خدا شریف ہے اور آخرت بھی شریف ہے۔ لہذا میں ذلیل کو ذلیل سے اور نہایت کو نہایت

عزت و شرف دے دو۔ ۱۵۰۔ عہد لکھنؤ ہسٹری آف پرسنیا۔ از ابتدا تا عہد نادر اس حصہ پر درود ہون۔

اجتہاد ہو۔ گو اس جو کچے ایک ایک فن سے غیظ و غضب اور جوش و مہل کی چٹکیاں
میں رہی ہیں۔ مگر کس قدر بھی بات کہی ہے۔

ایسا نہ تھا کہ آپ صرف اپنے مدرسہ باطن کے طلبہ اور رطلہ نشینان و درویش
اور اہل کی رہبری و مقتدائی اور تعلیم و تربیت ہی میں مشغول و مصروف رہتے
ہوں اور دیگر ائمہ باطن کی تعلیموں اور ان کے حالات سے بے پروا ہو جائیں
یہ سچ ہے کہ ایک عابد و متاخر بزرگ کا کام یہ ہے کہ جس سے لو لگائی اُس کے
سوا اہل چیزوں کا خیال صغیر دل سے مٹا دے۔ لیکن چونکہ آپ امام اہل باطن
تھے اور اپنے نفس کی تکمیل کے سعاد و سرون کے کمال کی فکر میں بھی رہا کرتے
تھے اس لیے ضرور تھا کہ دیگر شاخ باطن اور معاصر مضامین طریقت کے حالات
و تعلیمات کی تنقید بھی فرماتے رہیں۔

اس بارہ خاص میں آپ کی سرگرمی اور متحرک اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ نے
ابوعلیٰ شافعی کے کمالات باطن کی کیفیت سنی جو خراسان کے شہر نیشاپور میں گوشہ گیر تھے اور
بلاد مشرق کے شیخ طریقت نبوی ہوئے تھے تو اپنے حلقہ اہل کی ایک متمدن و صاحب علم شخص کو
نیشاپور بھیجا اور حکم دیا کہ پورے ایک سال تک ہر صبح و شام ان کی صحبت میں شریک ہو جائے
زبان سے جتنی باتیں سنو ان کو بقیہ وقت لکھو۔ اور پھر ملفوظات کے اس ذخیرہ کو
میرے سامنے لے کے پیش کرو۔ وہ شخص گیا۔ اور اس طرح خاموشی کے ساتھ شیخ ابوعلیٰ تقویٰ کی پند
و نصائح کو قلمبند کرتا رہا کہ نیشاپور میں کسی کو گمان بھی نہیں گذرا کہ بغداد کے مشاہیر و عرف کا کوئی جاسوس
خراسان کے اس روحانی دربار میں موجود ہو۔ یہ ملفوظات اُس نے اس طرح سے جمع کر کے

و وجدین کریں۔ ایک مین صبح کے وقت کی چالیسین تھیں اور ایک مین شام کے وقت کی ختم سال پر جب وہ مرید ان ملفوظات کو سنے حاضر ہوا تو اپنے دو خون جگر گولے کے فوض و شفق کی نظر سے ملاحظہ فرمایا۔ اور غور کامل کے بعد فرمایا: اس شیخ کی صبح کی باتیں تو علم حقائق کے رموز ہی نہیں معجزات ہیں۔ مگر رات کا کلام بھی وقاسد ہے۔ یہ حقیقت معرفت سے دور۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ شب کو اپنے ستری مشاغل میں مصروف رہتا ہے۔ اور صبح کو ایسا پاک باطن اٹھتا ہے کہ کلام میں یہ اعلیٰ درجے کی خوبیاں نظر آتی ہیں: یہ کہ اپنے اس شاگرد سے پوچھ آہ نے شیخ کے گھر میں جا کے فرش فروغ اور سامان خانہ داری کو بھی کبھی دیکھا تھا وہ ان اس قسم کی چیزیں ہیں جنہیں لوگ زینت دینا لکھتے ہیں: عرض کیا مہی ہاں میں نے وہاں فرش دیکھا۔ اور انشرا یک و شقی طشت کو دیکھ کر تاجو مکان کے ایک گوشے میں رکھا۔ ہا کر تا تھا: اتنا سننے ہی آپ جوش و خروش سے چلا اٹھے۔ اور فرمایا: میں یہی حیرت روز شام کو ان کی حالت بدل دیا کرتی ہے:

یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ باوجود مشاغل باطنی اور خدا شناسی کے جذب و جوش سے آپ معاصر مشاغل باطن کے حالات سے کس قدر واقف رہا کرتے تھے۔ آپ کی حالت پر غور کیا جائے تو اول سے آخر تک خوف الہی کے جذبات طاری آخرت ہیں۔ اور خود ہی فرماتے تھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ مجھ پر خوف طاری ہو جوار سنا ہی حکمت و حیرت کے دروازے میرے دل پر نہ کھل گئے ہوں۔

آپ کے فضائل و عطاات سے حضرت شیخ مصطفیٰ الدین سعدی شیرازی نے بھی

اپنی بے مثل و بے نظیر اخلاقی و روحانی کتاب بوستان میں فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ دیکھ
 یہ ہے کہ آپ نے ایک دن گیون کا ایک بوجھ پیچ پر لا کے بازار سے گھاؤن میں
 پہنچایا۔ وہاں پہنچ کے نظریا کہ گیون میں ایک چوتھی بھی جلی آئی ہے۔ رات کو
 سوئے تو نیند نہ آئی کہ میں تو اپنی خوابگاہ میں ہوں اور وہ چوتھی میرے سبب
 بے خانمان ہو گئی۔ آخر اسے گیون میں سے ڈھونڈ کے نکالا اور جہان سے لے
 تھے وہیں پہنچا آئے تب چین پڑا۔ چنانچہ اسی واقعہ کو شیخ سعدی نے ان دیکش
 اعطاء میں نظم فرمایا ہے:-

کے سیرت نیکر دان شنو	اگر نیسکر دی و پاکیزہ زد
کہ شبلی زحافوش گندم فروش	بیرہ بردا بنان گندم بدوش
نگہ کرد مورے مور غلہ دید	کہ سرگشتہ از ہر طرف مید دید
ز رحمت بردشیلارست خفت	بہا و اسی خود بازش اور دگفت
مروت نباشد کہ ایرچ مور ریش	پراگندہ گردانم از جای خوش

محبت۔ اور ذوق شوق

اسلام نے ان گزشتہ تیرہ سو برس میں بڑے بڑے باخدا اور برگزیدہ بارگاہ
 لمیزی پیدا کیے جن میں صحابہ کبار اور بعد کے طبقات میں ابو بکر شبلی سے بہت زیادہ
 مرتبہ کے خط شاس و خدا رسیدہ گزر گئے ہیں لیکن انہیں جو شوق تھا اور ایسے ذوق و
 شوق کے لوگ کم نظر آتے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے: چالیس برس سے متناس ہے کہ

ایک گھڑی کے لیے خدا کو جانوں اور پہچانوں کی جیسی جوش کھد و سرے الفاظ میں بیان
اکھکا سا فرماتے ہیں اس آرزو میں عمر گزار گئی کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی خلوت نصیب
ہو کہ شبلی درمیان میں نہ رہے۔

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں ایک دن ابو بکر شبلی سے ملنے کے لیے اُن کے
گھر گیا۔ تو دیکھا کہ بار بار چلاتے ہیں اور کہتے ہیں: "سجود کی عادت ہو اُسے تھمیں
میں نہیں آتا۔ اور جسے تیری محبت ہے اُس میں تیرے جگر کی برداشت نہیں۔ اگر تجھے کچھ
نہ دیکھے تو دل دیکھ رہا ہے۔"

بب کوئی فقیر نے کو آتا تو پوچھتے: "تھارے پاس کچھ خیر یا کچھ پتہ ہے؟" پھر بخیر
حامی کا یہ مشہور شعر پڑھتے۔

اَسْأَلُكَ بِسْمِ اللَّهِ مِنْ مَحْسَبَةٍ يُخَيِّرُ نَاعِلًا بَعَاثًا مِنْ سَكَنٍ
اِسے کو پوچھتے ہو؟ بھلا کوئی خبر دینے والا ہے جو جانتا ہو اور بتائے کہ وہ کہاں جا کے
تھم رہا ہے؟ اس کے بعد آپ ہی فرماتے: "قسم ہے تیرے عزت و جلال کی خود تیرے
سوا دو وزن جہان میں کوئی بتائے والا نہیں۔"

سچے خدا طلب اور خدا پرست کی شان بتاتے ہیں کہ اگر میں حق کا پورا پورا
مرتبہ جان جاتا تو پھر کسی ماسوی اللہ سے نہ ڈرتا اور بھی یہ ہے کہ سچے موصوفے نے
آزاد و بیوقوف شخص دنیا کے پرے پر نہیں جو سکتا یہی آزادی اور جرات و شجاعت
تھی جو توحید۔ نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں پیدا کر دی تھی۔ ایک لکھنؤی

مذکرۃ الاولیاء - ۱۰۲ - مکتبہ اہل بیت - بیان سکسٹہ - مکتبہ طہات الکبریٰ - ۱۲۴ -

لکھنؤ - ۱۵ - مکتبہ اہل بیت -

شخص ہرگز تنا آزد و جی نہیں ہو سکتا بتنا کہ ایک سچا موصوفہ خدا پرست ہوتا ہے۔
 جوش توحید سے بیتاب ہو سکے کبھی آپیکہ اٹھا کرتے موجب تک یہ نہ ہو کہ رستے
 زمین پر خدا کا کوئی اور زیاد کرنے والا نہ باقی رہے بلکہ چین نہ آئے گا۔ بعض بزرگان
 صوفیہ نے حضرت شبلی کے اس قول کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ جب تک میں دنیا
 شہو میں نہیں پہنچ لیتا مجھے چین نہیں آتا۔ کیونکہ اُس مقام پر ذکر نہیں ہے۔ لیکن سیدھی
 سادھی یہ بات ہے کہ عشق الہی نے ایک جوش رقابت پیدا کر دیا ہے۔ اور ذکر
 الہی کی دھن میں محو ہو جانے کی آرزو یہ تنا کر رہی ہے کہ بس میری ہی آواز میرے
 کان میں آرہی ہو اور کسی کی نہیں۔ میں ہی ہوں اور سارا عرضہ ہستی فنا ہو۔
 درگاہ رب العزت میں دعویٰ کرتے ہیں کہ خداوند! اگر تو آسمان کو میری
 گردن کا طوق۔ زمین کو میرے پاؤں کی بٹری۔ ماد و سارے جہان کو میرے خون
 کا پیاسا بنادے تو بھی میں تجھ سے روگردان نہ ہوں گا۔ اس کے بعد عویت کے
 تمام پہنچ کے فرماتے ہیں کہ کل کائنات کی بستی نہیں کہ میرے دل پر بزرگ کے۔
 پھر جہلاؤں کے دل پر بس کا گزر کیسے ہو سکتا ہے جو حق تعالیٰ کو جانتا ہو۔ سبحان فیض
 کتنا بڑا دعویٰ ہے اور پھر اُس کے ساتھ کیسا انگسار!

ایک دن ناز عصر میں دیر ہو گئی۔ یہاں تک کہ آفتاب افق مغرب کے قریب
 پہنچ گیا جب خیال آیا تو فوراً اٹھ کے ناز پڑھی چلو گون کی طرف پہنچے ہوئے کھڑے
 فرمایا: کسی صحابہ نے کیا خوب کہا ہے۔

نیت الیوم بمن عشتے مسلحاً - فلا اکسری عشتانی من عداہی

رُوح اپنے عشق کی دُھن میں مین نماز پڑھنا بھول گیا تو اب خبر ہی نہیں ہوتی
کہ کب شام ہوئی اور کب صبح ہوئی۔

ایک دن خلوت گاہ خاص میں تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔
پوچھا "کون؟" آواز آئی "ابوبکر" کوئی صاحب ہون گئے "فرمایا" اس وقت تو اگر
ابوبکر صدیق بھی آئیں تو دروازہ نہ کھولوں گا۔ جانیے مجھے فرصت نہیں ہے۔

ابو مفضل مکی کا بیان ہے کہ "میں ایک مرتبہ ابوبکر شبلی کی خدمت میں حاضر ہوا۔
دیکھا کہ وہ سوچنے سے بھڑوں کے بال اکھاڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا "حضرت! شبلی
اکھاڑتے ہیں اور میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے" فرمایا "افسوس کہ حقیقت مجھ پر ظہر
ہو گئی ہے۔ میں ضبط و برداشت کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ اسی وجہ سے میں
عمر اپنے جسم میں دو کو پیدا کرتا ہوں کہ شاید اس الم میں وہ تکلیف بھول جائے۔
مگر کیا کہن کہ نہ دردموس ہوتا ہے نہ وہ تکلیف جاتی ہے۔ اور نہ اس کے برداشت
کرنے کی طاقت ہے۔"

ایک مجلس میں آپ کو بار بار "اللہ! اللہ! کتنے سُن کے ایک درویش بولا اللہ
اللہ کیون نہیں کہتے ہیں؟" یہ سنتے ہی ایک فقرہ مارا۔ اور فرمایا "ڈرتا ہوں کہ ایسا
نہ ہوا کہ میں اور دم نکل جائے۔" یہ بے مثل اور عاجز کردینے والا فقرہ اُس صاحبِ دل
درویش کے قلب پر اس قدر اثر کر گیا کہ کانپ اٹھا۔ اور اُسی وقت روح پر واز
کر گئی۔ اُس کے اعزاء اور رشتہ داروں نے یہ واقعہ سنا تو دعویٰ کیا کہ شبلی نے اُس
غریب کو مار ڈالا۔ صرف اس کی شہرت ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ عدالت میں پچھتھان کا

عہد مقاماتِ اکبری، سنہ ۷۷۰ھ تذکرۃ الاولیاء، ۶۹۳ھ - ۷۷۰ھ سالِ فقیر، ۷۷۰ھ -

دعویٰ دائر کر دیا گیا۔ جواب وہی کے دیے لوگ آپ کو دربار خلافت میں سے لئے جیتا نہ
 وضع سے خلیفہ کے سنبھنے گئے تو اُس نے کہا "تمہارے پاس اپنی ہرأت کے لیے کیا
 جواب ہے؟" آپ نے فرمایا "یہ ایک حبان تھی شوق بقائے حق تعالیٰ کے جلال
 کی آگ سے مشتعل۔ تمام علاقے سے مجاہد۔ انسانی صفات و اقامت سے قنات۔ طاقت سے
 بے طاقت۔ صبر سے بے صبر۔ درگاہ رب العزت کا تقاضا اُس کے دل اور سینے پر
 چھایا ہوا۔ میرا کلام سنتے ہی شاہد ہمال کی ایک بجلی اُس کی جان پر چلی۔ اور اُسکی
 سوختہ عشق روح نفس قاتل ہے ایک چڑیا کی طرح اڑ گئی۔ شبلی کا دس میں کیا گناہ ہے یہ
 پر جلال تقریر سنتے ہی خلیفہ نے سہم کے کہا "انھیں فوراً ایمان سے ہٹاؤ۔ کیونکہ
 ان پر بشور انفاطمہ سے ایک ایسی کیفیت و حالت میرے دل پر طاری ہے کہ ڈرتا
 ہوں بیہوش نہ ہو جاؤں۔"

ایک صاحب دل شخص نے پوچھا یا حضرت۔ میں آپ کو اکثر غلین کیوں
 پاتا ہوں؟ کیا وہ ہر گھڑی آپ کے پاس نہیں موجود ہے؟ جواب میں ارشاد
 فرمایا "اگر میں اُس کے ساتھ ہوتا تو میں ہوتا۔ میں تو اُس کی ہستی میں موجود ہوں
 ہو گیا ہوں۔"

ایک دن فرمانے لگے "بھلا اُس آفتابوں کے آفتاب کی نصبت کیا کوئے
 جس کے مقابل ظلمت ہی ظلمت ہے۔ ذات باری عز اسمہ میں اس طرح موجود تھا
 کا ایک مجسمہ بناؤ نہ بھی اُس وقت نظر آگیا جب آپ کو لوگوں نے پتھر مارے۔
 پاؤں زخمی ہو گیا۔ اور اُس سے خون بہنے لگا تو خون کا جو چھاپہ زمین پر پڑا اس سے

غصہ ذکر الہیہ۔ ۱۰۰۔ عجب رسالہ کشمیر۔ ۵۱۔ سے طبقات کبریٰ۔ ۱۲۸۔

کہتے ہیں کہ اللہ کا غلط بن جانا۔

آپ کے سچے ذوق و شوق محبت اور قافی اللہ ہونے کے اکثر واقعات دیگر مقامات خصوصاً شاعری اور تعلیم کے مباحث میں بیان کیے جائیں گے۔ سرت
اس بحث کو چھوڑنے کے ہم دیگر حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

الہامات صفاۃ باطن اور دنیا کی لائق تہیہ عبرت متاثر

حدیث میں آیا ہے کہ سچے پُر اثر خواب بھی نبوت کا ایک شعبہ ہیں۔ چنانچہ صفائے
باعن اور تزکیہ نفس کا یہ کمال بھی حضرت خیر صاوت روحی غداہ کے رشا فیض نبیاد
کے مطابق آپ کو حاصل تھا۔ اگرچہ شیخ ابو بکر شبلی کے اس قسم کے خواب جو ابتدائی
درجہ دریت باری تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں ہمیں کم معلوم ہو سکے۔ کیونکہ آپ کی
سیرت لکھنے والوں نے زیادہ تر تجرّف صرف اُن حالات کی کی ہے جو ابتدائی نبیین
کو کمال ولایت کے زمانے سے علاقہ رکھتے ہیں جیسا کہ آگے چل کے معلوم ہوگا۔
تاہم دیا نہ خواب کا ایک واقعہ معلوم ہو سکا ہے۔ جو تزکیہ نفس کی تدریجی ترقیوں کا
پورا ثبوت دیتا ہے۔ وہ خواب خود آپ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ میں نے
و شخصوں کو دیکھا جنہوں نے بہت سے امور پیش کر کے کہا "اے شبلی جو شخص اس
قسم کے کام کرتا ہے اُس کا شمار غافلون میں ہے۔"

لیکن اس درجہ سے بہت جلد ترقی کر کے آپ اُس درجہ ولایت کو پہنچ گئے
جب کہ بیداری میں نورِ حقان غفلت حالات و کیفیات کو آپ پر منکشف کر دیا

کرتا تھا۔ اور فرشتہ غیب کی صدمے لاطن کا وزن میں گونج کے اکثر تبتہ کرتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے بحر معرفت میں غرق ہو کے فرمایا "خداوند تعالیٰ نے مجھ پر طلوع کیا۔ اور ارشاد کیا جو سو گیا غافل ہوا۔ اور جو غافل ہوا حجاب میں ہو گیا۔ ایک اور مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے وضو کر کے مسجد کا ارادہ کیا تھا۔ یکایک گوشِ عبرت نبوش میں آواز آئی: "ایسا وضو؟ اور پھر یہ گستاخی کہ ہمارے گھر کو چلا ہے؟" سنے بھی آپ پٹے۔ آپ آواز آئی: "ہماری درگاہ سے پھر اجاتا ہے؟" بتا کمان جائے گا؟" اب ضبط کی تاب نہ نہ نقیہ بخون نے ایک نعرہ مارا آواز آئی: "ہم پر طعنہ مارتا ہے؟" گھر کے خاموش کھڑے ہو گئے تو آواز آئی: "ہاں اصبر و تحمل کا دعویٰ ہے؟" آخر آپ سے نہ ہلگیا بے تحاشا کہ اُنھے استغاثتِ بلِ منک (فریادِ مگر بھیجی ہے)

یہ خود آپ کا ضمیر روشن تھا جو فرشتہ بن کے رہبری کرتا۔ اپنی ثابت قدمی کا آپ ہی امتحان لیتا۔ اور ہر قسم کی لغزشوں سے آپ کو بچاتا تھا۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے دل نے مجھ سے کہا "تو کنجوس ہے۔" میں نے جواب دیا کہ "تمہیں میں کنجوس مہین ڈل نے بھوکھا۔" ضمیر تو کنجوس ہے۔ اپنے ضمیر کے دامن سے اس دہشت کے مٹانے کے لیے میں نے اُسی وقت نیت کی کہ اب اس کے بدلہ کچھ خدا مجھے دے گا اُسے جو فقیر سب کے پہلے نظر آنے کا اُس کی نذر کروں گا۔ نیت کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور پچاس دینار (اشرفیان) مہری تدرکین۔ میں انھیں سارے کے گھر میں بکلا۔ سب کے پہلے ایک اندھا فقیر نظر آیا جو ایک تائی کے ساتھ بیٹھا ہوا سر نہ دار ہوا تھا۔ میں نے فوراً وہ رقم لے جا کے اُس کے سامنے رکھ دی۔

اور کہا یہ آپ کی تدریس ہے۔ اُس نے دیکھ کے کہا: "چھا تو اس بانی کو دوسے دو مہینے
 مستحضر ہو کے کما" حضرت یہ دینار را اشرافیان ہیں: اتہا سنا تھا کہ اُس فقیر نے میری
 طرف سر اٹھا کے عجب پُر جلال نظر سے دیکھا۔ اور کہا: "ہم نے تم سے نہیں کما تھا کہ
 تم کچھ س ہو؟" یہ سنتے ہی ظاہر ہے کہ جناب شبلی پر صد ہا گھڑے پڑ گئے ہوں گے۔ کہتے
 ہیں کہ: "اب میں نے وہ دینار بانی کی طرف بڑھائے" وہ بولا کہ جس وقت یہ فقیر
 میرے سامنے آئے میٹھا ہے میں نے دل میں اللہ جل شانہ سے عہد کیا تھا کہ اس سے
 خطا بنانے کی کچھ ضروری نہ لون گا۔ اس لیے میں کچھ نہیں لے سکتا: تب مجبور ہو کے
 میں نے وہ دینار اٹھا لیے۔ اُن سے اس قدر نفرت ہو گئی تھی کہ لیجا کے اُنھیں
 دریا میں پھینک دیا۔ اور دل میں کہا: خدا کو جو منظور تھا کیا۔ اور اسے دینا تجھے
 بس نے دوست رکھا وہ ذیل ہوا: بعض اہل ظاہر کو اس پر اعتراض ہے کہ خدا
 کی دی ہوئی نعمت کو دریا میں پھینک کے کسی کے کام کا نہ رکھنا نہایت ہی بد نما
 اصراف بلکہ ناشکری ہے۔ لیکن حضرت ابو بکر شبلی پر یہ اعتراض ہرگز نہیں وارد ہو سکتا
 اب وہ اپنے آپ کو اس رقم کا مالک ہی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ نیت کے ساتھ
 ہی وہ اُن کے قبضے سے عمل گئی تھی۔ اور پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب نے
 انھیں اس امر پر آمادہ کر دیا۔

ایک دن چند لڑکوں کو دیکھا کہ ایک اخروٹ پر جھگڑ رہے ہیں۔ انھوں نے
 کہا: "اؤ میں بانٹ دوں" وہ راضی ہوئے۔ اور انھوں نے توڑا تو وہ اخروٹ اندر سے
 خالی اور بغیر مغز کا نکلا۔ ساتھ ہی حیرت کے کانٹوں میں حیرت کی آواز آئی: "میں نے کچھ نہ دیا تو یہ لڑکے"

روشن ضمیری کے اس سچے احساس نے اور غیب کی ان سرزنشوں نے آخر میں حق و باطل کی ایسی پرکھ پیدا کر دی تھی جسے کرامت اور خرق عادت کہنا چاہئے نہ تھا۔
 ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عہد کیا تھا کہ سوا اگل حدائق کے کچھ نہ کھاؤں گا۔ اتفاقاً
 سمراؤن میں پھر ہاتھا اور بادیہ گردی میں مشغول تھا کہ ایک انجیر کا درخت نظر آیا۔
 بھوک لگی ہی تھی اُسے دیکھ کے اور ہتھکھال ہوئی ہتھ بڑھا کے اراہ لیا کہ اس میں سے
 چند پھل توڑ کے کھاؤں۔ نگہان درخت میں سے آواز آئی کہ شبلی۔ اپنے عہد کو نہ توڑو۔
 میں ایکس بندھی کی ملکیت ہوں۔ اس لیے میرا پھل نہ کھاؤ یہ صدائے غیب سننے
 ہی میں نے ہاتھ روک لیا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جب میں بازار میں گزر رہا ہوں تو اکثر
 بوٹوں کی پٹ نیوں پر سجدہ یا قسمی کا لفظ لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ آپ اپنی اس پاک نفسی
 اور صفائے باطن کو آپ خود بھی مجھ ہی محسوس کرنے لگے تھے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی نفس
 اپنے کمال باطن اور پنی روحانی ترقیوں پر تازہ کرنے لگتا جس نفس میں سے بچنے کے لیے
 یوں سبق ملے کہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ابلیس نے میرے پاس آگے کھاتیرنے اوقات کی
 حوائج کے سرور نہ جانتا۔ کیونکہ انھیں روشن ضمیریوں کے نیچے آفتوں کی تاریکیاں پھیل
 اسے کہتے ہیں۔ مع مد و شود سبب غیر گرد اخلاص۔ اور سچ کہہ کہ جن کا نفس
 پاک ہوتا ہے نفس امارہ اُن کا تابع فرمان ہو جایا کرتا ہے۔ اور وہی صراطِ مستقیم
 میں رہ رہتا ہے۔

صفائے باطن اور پاکیزہ نفسی کے ان حالات و کیفیات نے آپ کی طبیعت میں
 ایک عجیب قسم کی روحانی تازگی مزاحی پیدا کر دی تھی جس کا یہ اثر تھا کہ کوئی آدمی آؤ

سنوئی بات ہو آپ اُس سے بچنا شروع کرنا چاہئے۔ اور راہ چلتے چلتے محبتوں میں بیٹھ جائیں۔
 اور بازار والوں کی صدائیں سنتے سنتے جوش میں آسکے جیاب ہو جاتے۔۔۔ اور جنوں
 کی سی حالت طاری ہو جاتی۔ اور سچ پوچھے تو یہی واقعات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدائے
 ولایت کے خصائص ہیں۔ آج کل ہمارے یہاں نسیم مین آجکٹ سن پر بہت توجہ
 دیا جاتا ہے۔ یعنی علم کتاب نہیں بلکہ علم حال پر دس دس کی چیز کی حالت و کیفیت کا
 مشاہدہ و معانیہ کر کے جیسی بھی واقفیت طالب علم کو حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر تب بغیر
 ممکن نہیں۔ اس طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انماک آج سے بہت پیشہ جو سے زیادہ گزرا
 ہوا تھا۔ آپ اپنی زندگی بھر کتب توحید کے طالب علم رہے۔ ساری دنیا آپ کا کثیر گارمن
 اور سناٹا جس میں بغیر کتاب سے مدویہ موجودات عالم کی صورتیں دکھا کے طلبہ کو اُن کے
 حالات بتاتے جاتے ہیں (حق اور آپ کی تازک طبیعت علم نامی ہر کی ہر کیفیت کو
 دیکھ کے اس قدر مشتاق ہو جاتی کہ جذبات روحانی کا جوش ہوتا۔ اور چیخ مٹتے۔ آپ کی
 چیخ اور آپ کا غور مشہور تھا۔ جی کہ مرتضیٰ اور حقیر خلدی اور خواص کے ایسے بزرگانِ فاضل
 اُس کے مصروف اور آپ کا ہوا مانے ہوئے تھے۔ آپ کے اُس غور ستارہ کی صدا شائع
 باطن کی صفتیں آج تک گونج رہی ہیں۔ جو انصاف جان و دل کا نور ہے۔ کون کون سا اثر ہے۔
 خیر اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیباکی اور ہر عبرت بخش نظایا حالت یا کیفیت پر
 آپ کی از خود نقل بیان ملاحظہ ہوں۔ ایک دن ایک شخص نے آکے پوچھا: کیوں حضرت
 ایک صابر شخص کے لیے سب سے زیادہ مشکل اور سخت کون سا صبر ہے؟ میں نے فرمایا
 اللہ عزوجل نے اللہ کے معاملات میں صبر کرنا) سائل نے کہا: اور نہیں ہو؟ فرمایا اللہ عزوجل

(ضاحی راہ میں صبر کرنا) سائل: لا بھریہ بھی نہیں؟ اب حضرت شیخ شبلی کی نازک ہوا
 متعلیٰ ہو سکی۔ طیش میں آگئے فرمایا: "اَبِیْشَ دَمْعُکَ؟" (لکیر کھنت بتا کیا سہم) اس نے
 کہا: "اَلْقَبْرُ حَیْثُ اللّٰہُ" (خود خدا کے فراق میں صبر کرنا) سنے ہی شبلی نے وجد میں آگے بے اختیار
 ایک نغمہ مارا اور وہ ایسی چیخ تھی کہ تمام حاضرین میں بیقراری کی گرنی پیدا ہو گئی۔
 ایک دن راتے میں چلے جاتے تھے۔ ایک غربت کے انجورے نیچے چلنے سے صدا
 لگائی کہ: "یٰقُتُوبُ الْاَوْدَیْدِ" (اے اڈس ایک رو گیا ہے) انہوں نے سنے ہی بیتاب ہو کے نغمہ
 مارا۔ اور بار بار دہنجان پر یہی کلمہ جاری تھا کہ: "بس ایک رو گیا ہے" اس ایک رو گیا
 اور پھر آخر میں کہا: "اور سو ایک کے کوئی رہے گا بھی نہیں؟"

ایک دن بغداد کے بازار میں چلے جاتے تھے کہ ایک کٹر پے نے ہانک لگائی
 "دس خیار (کھیرے) ایک دو انگ کو؟" مانا کر کہتا چلا جو کہ عربی میں خیار کھیرے کو بھی کہتے
 ہیں اور غیر عربی جمع بھی خیار ہے جس کے سنے "تنگون" کے ہیں۔ یہ صدا سنتے ہی آپ کی
 عبرت پذیر طبیعت میں جوش پیدا ہوا۔ اور فرمایا: "جب خیار (تنگون) کا یہ حال ہے تو
 آخر ارڈیرون (کو کون پوچھتا ہے؟)"

ایک دن چند دقت مند دن کو میٹھ و عشرت میں مشغول دیکھ کے آپ نے بے توجہ
 ایک نغمہ مارا۔ اور فرمایا: "اَکُنْ دِلُونْ کَ جَالِ پَر افسوس ہے کہ جو خداوند تعالیٰ کے
 ذکر سے غافل و بے خبر ہیں۔ یہ اسی کی سزا ہے کہ خود اور دنیا کی خواست کے ذریعہ
 بنادیں گے ہیں۔"

اسی طرح ایک دن راتے میں ایک جنازہ جا رہا تھا۔ اور دُوس کے پیچھے

دیر تک یہ حالت قائم رہی کہ اُدھر وہ بو دُکادام بھر رہی ہے اور (دھریہ ہو گا دُکادام بھر رہے ہیں۔ گویا وہ پوچھتی ہے کہ کمان ہے کمان ہے؟ اور یہ بتاتے ہیں کہ وہ سنا وہ ہے۔)

ایک دن مثنیٰ کو گاتے سُن کے عین حالت سماع میں خود جو کے زور و شور سے ایک غزوہ پڑھا۔ لوگوں نے کیفیت پوچھی تو بجا سے اس کے کچھ بیان کرین مشورۃ شاعر عرب کثیر کا یہ جذب و ذوق عشق میں: **یا ہوا شعر ہے**۔

لَوِیْہُمْ مَعْنُوْنَ لَکَیْنِیْہُمْ کَلَامُہَا حَذُوْذُ الْعِزَّةِ لَمْ یَکْشُہُ اَوْ سَحْبُہُ کَا
جس طرح میں نے اُس کی باتیں سُنی ہیں اگر یہ سب لوگ سُن پاتے تو غزوہ میری مشورۃ کے آگے رکھ دو جو دین گزشتہ۔

ایک دن کسی صاحب ذکر شخص کو یار سدا یارب! کی زٹ لگاتے ہوئے لکھا تو جوش میں آگے چلا اُٹھ کر کب تک چلائے جائے گا۔ اُس کی بھی توجہ نہ ہو۔ عہدی احمدی! وہ بھی ضار س اور صاحب ذوق شخص تھا ان کا یہ اعتراض سُنکے بولا: اے مصلیٰ یہ صدائیں ہی کے تو میں یارب یارب کہ رہا ہوں یہ جواب ثانی سُن کے خاموش ہو گئے۔ اور فرمایا: تو اب تو معذور رہتے؟

ایک مرتبہ مسجد میں اذان دی۔ جب شہادتین پر پہنچے تو اُشھدان لا الہ الا اللہ کہہ کے کچھ ایسا جوش ہوا کہ فرمایا: اگر تو نے حکم نہ دیا ہوتا تو تیرے ہم کے ساتھ غیر کا نام نہ لیتا۔ یعنی اُشھدان محمد رسول اللہ نہ کہتا۔ یہ ہے سچا جوش توحید اور یہی شان حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے حج کے وقت نظر آئی تھی جب آپ نے حجر اسود کو ہر دیتے وقت

حجر تکرہ الا ولایا۔ ص ۱۰۲۔ سہ تکرہ الا ولایا۔ نہ لایا۔ رب لا تقرب۔ ص ۱۰۲۔

فرمایا تھا کہ جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے پوسہ نہ دیا ہوتا تو میں ہرگز پوسہ نہ دیتا۔

ایک مرتبہ آپ نے کسی جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور بجائے چار کے پانچ تکبیریں کیں۔ بعد سلام لوگوں نے اس کا سبب پوچھا اور کہا "یہ تو آپ نے نیا مذہب ہی دیکھا ہے؟" فرمایا چار تکبیریں تو مڑے پر تھیں۔ اور پانچویں جان اور تمام اہل جہان پر۔
احمد بن حنبل علی کہتے ہیں کہ میں۔۔۔ مبارک رمضان میں ایک رات امام کے پیچھے شبلی کے براہ صفت میں کھڑا نماز پڑھا رہا تھا۔ امام نے تلاوت کرتے کرتے آگے کر بیٹھ کر بے شکنائی کہ **حَبَّتْ بِالذِّیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ** پڑھی اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو دے دیں ہم نے تم پر جو دعویٰ بھی ہے اُسے واپس لے لیں۔ یہ آیت سنتے ہی شبلی نے اس بڑے سے پیچ ماری کہ میں تمہارا پیچ کے ساتھ ہی اُن کی روح پر داز کر گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُن کی یہ حالت تھی کہ کاپٹے تھے اور بار بار کہتے تھے وہ سنوں سے یوں خطاب کیا جاتا ہے؟ تو پھر بھلا ہم ایسے لوگوں سے کیا خطاب ہو گا؟

ایک دن ایک گیلی کلڑی جلتے دیکھی جس کے دوسرے سرے پر حسب معمول کچھ رطوبت ظاہر تھی۔ یہ دیکھتے ہی وہ فوراً جذب و جوش سے ان پرستی کا عالم طاری ہو گیا اور اپنے مریدوں سے مخاطب ہو کے فرمایا "میرا اگر یہ دعویٰ ہے کہ تمہارے دل آتش عشق سے برفریں۔ اور اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو پھر تمہاری آنکھوں سے آنسو کیون نہیں جاری ہوتے؟"

عبداللہ بن علی نام اُس دور کے ایک بزرگ کا بیان ہے کہ ایک اہل کو

مین دنیا سے کس قدر دور ہوتا ہوتا ہوں۔ اور کبھی کبھی نعرہ مار کے کہہ اٹھتے تھے۔ ہاں
 افلاس اہلے افلاس آخر ایک دن لوگوں نے پوچھا کہ حضرت افلاس کہاں فرمایا
 لوگوں میں اُنٹھے بیٹھے ہے۔ لوگوں کے ساتھ مانوس ہونے سے۔ لوگوں سے ملنے جلنے
 ہونے چاہئے اور ایک دوسرے کے کام آنے سے۔ چنانچہ ان بے تعلقیوں اور وحشت
 زدگیوں نے آپ مین یہ اجازت بھی نہیں باقی رکھی تھا کہ کن صحبتوں میں جانا اور کن
 لوگوں سے ملنا چاہیے۔ ایک دن کا وقت تھا کہ گھر سے نکلے تو کئی دن تک غائب رہے
 عقیدت کشوں اور مریدوں نے سب جگہ ڈھونڈھا اور کہیں نہ پایا۔ آخر بہت تلاش
 اور جستجو کے بعد آپ نے تو کمان بیخروں کے محلے میں حیرت زدہ ہو کے لوگوں نے
 پوچھا کہ حضرت بیان کہاں؟ فرمایا جو ان لوگوں کی حالت ہے وہی میری حالت
 ہے۔ کیونکہ یہ نہ مرد ہیں نہ عورت۔ علیٰ ہذا القیاس میں بھی نہ مرد ہوں نہ عورت۔
 (یہ جوش قنایت ہے) پھر ان لوگوں کی صحبت سے زیادہ مناسب جگہ میرے
 لیے کون ہو سکتی ہے؟

یہ جذبات جوش وحدت کے جرم ہی سے نہیں بعض اوقات لوگوں کے غلط
 و محدود پر بھی بیان میں آجاتے تھے۔ چنانچہ آپ کی صحبت میں کسی نے آپ کی عقل
 کی یعنی جس طرح آپ متاثر ہو کے چیخ اٹھا کرتے تھے اُس نے بھی ایک ایسا نعرہ سنانا
 مارا کہ محض گرج اٹھی۔ یہ صحبت دریا سے وجہ کے کنارے تھی۔ آپ نے فوراً اٹھا کے
 اسے پلٹا تل و تل میں پھینک دیا۔ اور لوگوں کو اپنے اس فعل پر تنبیہ کی تو فرمایا اگر
 سچا ہے تو خدا سے بچائے گا جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خرق ہونے سے بچا تھا۔

اور چھوٹا ہے تو خضر عیسیٰ کی طرح اسے بھی غرق کر دے گا :

• آخر الامر آپ کا چہ سبارک جنوں توحید سے گزرنے لگا۔ چنانچہ ایک دکان ہوا
انہما اے کے جوش و خروش سے چلے۔ لوگوں نے پوچھا "کمان؟" کہا "جانتا ہوں کبہ
کو جلا کے خاک کر دوں گا۔ تاکہ لوگ گھر کو چھوڑ کے گھر والے کی طرف توجہ کریں۔" دوسرے
دن دیکھا تو ایک جلتی ہوئی نکلنی لیے ہوئے جا رہے ہیں جس کے دونوں سرے شعل
تھے۔ پوچھا "حضرت کمان کا ارادہ ہے؟" ارشاد ہنس مایا "جانتا ہوں بہشت اور
دوزخ دونوں میں ایک لگا دوں گا۔ تاکہ بغیر مامویہ اللہ کے لالچ کے لوگ اس سبب لغت
کی بندگی پرستش کریں۔"

• ابن حانون کے عاری بہت اور کیفیات عالم سے جبروت و منہ صہل کرتے
۔۔۔ بنے کی وجہ سے ایک یہ بات بھی ہو گئی تھی کہ جو لوگ لکھے پڑھنے میں زیادہ تہمک
رہتے ان پر بھی کبھی چوٹ کر جاتے۔ چنانچہ حسین بن احمد صفار کا بیان ہے کہ ایک
دن میرے ہاتھ میں دو بات تھی۔ شبلی نے دیکھ کے کہا عَیْبُ سَوَادَکَ یَکْفِیْ سَوَادَ
قَلْبِیْ یعنی اپنی اس سیاہی کو سامنے سے ہٹا دیجے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے۔
اسی طرح اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے فرمایا اِذَا اطَاعَ الرَّسُولَ
فَلَا تَزِدْ بِرَہً عَلَیْکُمْ عَلَیْہِمُ الْخَوَاقِیْ جب لوگ مجھ سے علم سفید طلب کرتے ہیں تو میں
ان کے سامنے گدڑ پرین کا علم پیش کرنا ہوں۔
ان باتوں کو علمائے خواہر نے بڑی نگاہ سے دیکھا۔ اور سخت متعجب ہوئے۔

۱۔ حدیثات الکبریٰ۔ ۲۔ مہذوزہ مذکرۃ الادویا۔ ۳۔ مہذوزہ تبیس تبیس علی الصوفیۃ
۴۔ منزلت قل بالعلم۔ ۵۔ مہذوزہ تبیس تبیس علی الصوفیۃ بخارم فی من تخاص بالعلم۔

یہ سچ یہ ہے کہ شلی معذور ہیں۔ انھوں نے ابتدا لے عمر میں جو کچھ پڑھا تھا اس سے اب دست کہ تعلق باقی تھا۔ اب جس مرد سہ باطن میں تعلیم ہوئی اس کا دار و مدار کتابوں اور علم فیض پر نہ تھا۔ بیان انھوں نے ریاضت کے ذریعہ سے دل کو صاف کیا اور دسوئی، یکدلی پیدا کی۔ استغراق و وجد کی کیفیتیں اپنے اوپر جاری کیں اور ایسی استعداد و صلاحیت پیدا کر لی کہ سارا عالم ان کی درسی کتاب تھا۔ جسے وہ بغیر کسی معلم کی مدد کے پڑھتے۔ اس کے انقلابات و حالات سے عہدت کا سبق لیتے۔ اور قنایت کے درجے پر پہنچ کے آپ ہی آپ مجھوٹے لگتے۔ آج وہ کلم خاں و حدت کے سیستون میں تھے۔ اور ان کی زبان سے جو نکل جاتا گرفت اور اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا چنانچہ شیخ کامل قرقانی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ "ابو بکر شبلی وہ ہیں کہ جو مست جیسے اور مست ہی مرے۔ اس لیے کہ میں نے عالم مکاشفہ میں انھیں دیکھا کہ ہوا میں رقص کر رہے ہیں۔"

ذوق سخن۔ اور آپ کی شاعری

فی حال شرقی شاعری کا زبردست عنصر تصوف ہے۔ عام قاعدہ سا ہو گیا ہے کہ جو شاعر مولا ہے وہ صوفی بھی ہوتا ہے حضرات شیعہ تصوف سے بہت علم و باتیں۔ اور تصوفین کے خیالات و عقائد کی زور و شور کے ساتھ تردید کرتے ہیں مگر شاعری کی دنیا میں ان کے ہم شیعوں کو بھی صوفی پاتے ہیں۔ لیکن اس ابتدائی اور زمین سے کہ حضرت جنید بغدادی تصوف کی اشاعت اور علوم باطن کی تعلیم

وہ رہے تھے شاعری اور تصوف میں اتنا لزوم نہ تھا جتنا کہ اب ہے۔ بزرگانِ صوفیہ میں سے ہمیں سب سے پہلے شخص حضرت ابو بکر شبلی ہی نظر آتے ہیں جنہوں نے شاعری سے اپنی تعلیمات میں کام لیا۔ اور جو اپنے خدا پرستی و خدا شناسی کے جوش و جذبات کو اکثر اوقات اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ خدا نے انہیں طبیعت بھی ایسی عطا فرمائی تھی جو شاعری کے لیے نہایت ہی موزون و مناسب تھی۔ ان کے واقعات بتاتے ہیں کہ اگرچہ جذباتِ وحدت و مست اور دبائے عرفان میں غرق تھے مگر شعر و سخن میں پورا ذوق رکھتے تھے۔ بات بات پر ان کی زبان پر شعر نکلتے تھے جو کبھی خود ان کے ہوتے اور کبھی مشہور شعراء عرب کے۔

حضرت جنید کو بالذات شاعری سے کچھ زیادہ انس نہ تھا۔ مگر حضرت ابو بکر شبلی کا ذوقِ مرسلہ آہی کی طالب سلی ہی کے زمانے میں کبھی کبھی خدا شناس شیخ کو بھی شعر نے کام لینے پر مجبور کر دیتا تھا۔

ہم حضرت جنید بغدادی کے حالات میں بھی بیان کر چکے ہیں اور اس رسالے میں بھی پیر اور مرید کی بحث میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ ایک دن ستانہ وضع و حالت سے آگے ابو بکر شبلی نے حضرت جنید کے سامنے تین شعر پڑھے جن کا پہلا مصرع یہ تھا کہ
مَوَدُوْنِیْ لَوْصَالَیْ وَانْصَلَ عَذْبَیْ اَنْ کُوْشْنِیْ کے باوجود کہ حضرت جنید کی زبان سے شاذ و نادر ہی کبھی کوئی شعر نہ جاتا تھا مگر انہوں نے بھی شاعرِ دانا کے جوش سے مجبور ہو کر ایک شعر پڑھ دیا۔

اس موقع کے علاوہ دیگر موقعوں پر آپ دیکھا تو متاجو اشعار زبان فیض رحمان سے
ظاہر فرماتے رنگ اور جوش میں ڈوبے ہونے کے علاوہ آپ کا اعلیٰ کمال شاعری سخن بھی
ثابت کر رہے ہیں صرف اردو و فارسی جانتے والوں کے لیے عربی اشعار بہت غراؤس
ہیں۔ اور شاید بعض حضرات اسے نہ پسند کرتے ہوں گے۔ اس رسالے میں آپ کے
عربی اشعار بھی نقل کر دیے جائیں۔ مگر ہم خیال کرتے ہیں کہ بغیر ان کے یہ کتاب جو
آپ کے سوانح عمری کے بیان میں ہے ناقص اور ناقص رہے گی۔ اور جبکہ ہم پہلے
کے نیچے اس کا ترجمہ بھی درج کر دیتے ہیں تو پھر کوئی شکایت کا محل نہیں رہے گی۔ ان اشعار
سے اگر اردو دان حضرات آپ کے کمال شاعری کو نہ سمجھ سکیں تو آپ کے خیالات
و جذبات کا تصور بہت اندازہ ضرور کر سکیں گے۔

ظاہر بھی کہتے ہیں کہ شیخ شبلی نے مجھے اپنے یہ دو شعر سنائے۔

مَعْتَبَةُ الشَّيْبَةِ وَالْحَبِيبَةُ فَأَنْبَرُ أَسَى مَعَانٍ بِلَا الْأَجْفَانِ يَزِيدُ حَسَنَ
یوانی بھی رخصت ہوئی اور مشقت بھی تو پلوں میں دو آنسو ایک دوسرے کے
سارض ہوئے۔ اور نکلنے کے لیے ہجوم کرنے لگا۔

مَا أَصْغَفَتْني الْمَآوِثُ مَا سَبَّحَتْني مَوَدَّ حَيْنٍ وَكَيْسَ لِي قَلْبَانِ
حوادث زمانہ نے میرے حق میں انصاف نہیں کیا کہ دود کے رخصت کرنے پر
مجبور کیا حالانکہ میرے پاس دل ایک ہی ہے دو نہیں۔

بعض لوگوں نے حضرت ابو بکر شبلی کو عالم وجد میں دیکھ کر کہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے
ہیں۔ اور ستانہ واریہ اشعار پڑھ رہے ہیں

تَعَفُّفٌ حِينَئِذٍ عَلَيْكَ شَقَا . وَمَا حِينَئِذٍ عَلَيْكَ حَقَا
 میں نے اپنے گریبان کو بچاڑ ڈالا۔ حالانکہ گریبان کا تہ پر کوئی حق نہ تھا۔ یہی
 اسے بچھڑا تھا۔

أَوَدَّتْ قَلْبِي فَصَادَفْتُهُ بِدَائِي بِالْجَبِّ إِذْ تَوَقَّعْتُ
 میں نے تو دل ہی کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا مگر گریبان نے ہاتھ کو روکا
 اور پھٹ گیا۔

لَوْ كَانَتْ حَيْثُ مَكَانِ حِينَئِذٍ لَكَانَ بِشَقِّ مُسْخَفًا
 اگر میرے گریبان کی جگہ میرا دل پڑتا تو وہ بے شک چاک ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔
 یہ دو شعر حضرت ابو بکر شریک کے ہیں۔ کیا تازک خیالی دورِ دقیقہ سمجھی ہے۔
 إِنَّ ضَوْفَ الْحُبِّ مِنْ أَكْرَبِ الشَّوْقِ وَخُوفِ الْفِرَاقِ يُوْثِرُهُ عِنْدَ
 عاشق کا عشق کی تکلیف اور فراق کے دھڑکے میں چلا تازک و غافل ظاہر کرتا ہے۔
 صَابِرًا الْقَبَارِيفَاتِ الْمَسْبُورِ وَمَا حَالُ الْحُبِّ بِالْمَسْبُورِ صَبْرًا
 صبر پر صبر کر (تو اس صبر سے کیا ہو کہ) خود صبر بناؤ مانگتے لگا۔ اور عاشق نے
 صبر سے ڈانٹ کے کہا کہ صبر کر۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنی صحبت میں یہ اشعار پڑھے تھے۔ خیال کرنا چاہیے کہ ذکرِ
 و رویت باری کے تازک سائل باطن کو کس خوبی و وضاحت سے بتایا ہے۔ اور
 کتنی اچھی تسلیم ہے۔

كَذَلِكَ لَا أَرَى نَيْتِكَ لَحْمَةً وَأَيْسَرُ مَا فِي الذِّكْرِ كُزْبَانِي

میں نے تجھے یاد کیا اس طرح نہیں کہ ایک لحظہ کے لیے بھی بھولا ہوں اور یاد کرنے میں سب سے آسان یہ ہے کہ اپنی زبان سے یاد کروں۔

وَكُنْتُ بِكَ وَجْهًا مَوْتُ مِنَ الْهَوَىٰ وَهَمَّ عَلَىٰ لِقَائِهَا بِهَا الْحَفَقَانِ
اگر عالم وحدت عاری ہوتا تو میں عشق میں مرجہ تار کر دل کے مجھ میں جوش عشق کا خفقان پیدا کر دیا۔

فَلَا أَرَانِي لَوْ جَدُّنَا نَحْنُ شَهِدَتْكَ مَوْجُودًا بِهَا الْكَافِ
چرب و چیدنے بگے دکھایا کہ تو میرے سامنے موجود ہے اس وقت تو بے ہر مجھ موجود نظر آتا ہے۔

فَخَاطَبْتُ مَوْجُودًا بَعْدَ تَكْلِيفٍ وَلَا حَظَّتْ مَعْلُومَاتُ بَعْدَ حَيَاتٍ
اور میں نے اُس موجود (مطلق) سے خطاب کیا بغیر اس کے کہ گفتگو ہو۔ اور
معلوم (مطلق) کو دیکھا بغیر اس کے کہ وہ سامنے ہو۔

ابو بکر خلیف بغدادی نے تاریخ بغداد میں بیان کیا ہے کہ ایک دن ابو الحسن
تیمی حضرت ابو بکر شبلی کے گھر میں گئے تو دیکھا کہ جوش میں آگے وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے
عَلَىٰ بَعْدِكَ لَا يَصْنَعُ مَنْ عَادَتُهُ الْقَرْبُ
تیرے فراق میں وہ شخص صبر نہیں کر سکتا جسے پاس رہنے (وصل) کی عادت
ہوئی ہے۔

وَلَا يَتَوَقَّعُ عِلَّا يَهْنُوكَ مَنْ شَيْئُهُ الْخُسْبُ
اور غم کے برداشت کرنے کی وہ شخص قوت نہیں رکھتا جسے محبت کے ذیل خواہ کر لیا ہو۔

فَاِنَّ لَمْ تَرَكَ الْعَيْنَ فَقَدْ بَعَّرَكَ الْقَلْبُ

تو اگر تجھے نگہ نہیں دیکھتی تو دل دیکھ رہا ہے۔

یہ دونوں شعر بھی آپ ہی کی جانب منسوب ہیں۔

سَرْمَدِ وَفِيَّ نَيْفٌ مِّمَّوْ مَسْرَمَدٌ وَاقْتُلْنِي عَنِّي قَدُّتُ مَحَبَّتُكَ ذَا

یہ اوقت تیری ذات میں پہنچ کے ابدی ہو گیا۔ لہذا وہ سرمد ہی ہے۔ اور

تو نے مجھے زندہ اپنے سے قتل کر دیا تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی مجھ پر ہو گیا۔

قَصْرَتُ اُتْرَافِ دُفْرٍ مَشْوِيَةٍ قَصْرَتُ خُرَيْنِ بِنِ الْبَوَيْتِ اَوْ حَبَلًا

میرا سامانی قسم کا ہو گیا تو میں اپنی محضبت (ندرت) کے عائد سے بیکتا ہو گیا۔

اور صحابہ میں غریب و خائف ہو گیا۔

القراب کیا کرتے خداوند اکاش یہ معلوم ہوتا کہ تیرے نزدیک میرا کیا نام

ہے۔ میرے ساتھ تو کیا کرنے والا ہے؟ اور میرے حل کا قاتلہ کس چیز پر کرے گا؟

پھر یہ اشارہ پڑھتے۔

كَيْتُ شَعْرِي كَيْفَ ذَكَرِي عِنْدَ مَنْ يَفْتَحُ لِي دَرِي

مجھے کاش معلوم ہوتا کہ وہ جو میرے بھید و ن کو جانتا ہے اس کے وہاں میری

س طرح ذکر آتا ہے؟

اَمْ حَبْلِي اَمْ قَبْلِي اَمْ مَجْنُونِي اَمْ مَرْدِي

اچھا یا بُرہ جانی سے یا بُرائی سے۔

يَسْتَشْفِي كَيْفَ حَالِي بِعَيْنِ اَمْ رُكْنِي

عہد میں نکلان۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

کاش معلوم ہوتا کہ میرا کیا حال ہوگا۔ موت کے دن اور قیامت کے دن؟

يَتَذَكَّرُ فِي كُلِّ مَوْتٍ سَيِّئِينَ اَمَّا رَسُوْلُهُ

کاش معلوم ہوتا کہ میری موت کیسے ہوگی یقیناً ایمان اپنا نثر پڑے۔

اَوْ اَنْ يَفْشَلُ قَوْلُ لِي اَمَّا تَرْسُ بَشَرٍ صَدْرِي

کیا تمہاری رائے ہے کہ میرے کہنے کو وہ قبول کرے گا؟ کیا تمہارا یہ خیال ہے

کہ میرے سینے کو وہ کھول دے گا؟

يَتَذَكَّرُ فِي كُلِّ مَوْتٍ سَيِّئِينَ اَمَّا رَسُوْلُهُ

کاش میں جانتا ہوتا کہ کمان جاؤں گا جنت میں یا دوزخ میں؟

فَذَلَّلْنَا مَدْحِي وَفَوْجِيهِ قَانَا اَعْدَاؤُكَ كَذَرِي

تو تم میری تعریف اور ثناء و ستائش چھوڑ دو کیونکہ اپنی قدر میں ہی خوب جانتا ہوں۔

حاکم نے روایت کی ہے کہ ابو عبد اللہ بن ابی ذبل خود کچھ سے ملے تھے کہ ایک دن

میرے سامنے کسی شخص نے شیخ ابو بکر شیبلی سے پوچھا کہ اس شخص کی نسبت آپ کیا کہیں

کہ کسی کلام کا مطلب تو نہیں سمجھا کر سن گئے اس شخص کو دال آگیا۔ اور بے بکھ اپہر

وجہ کی کیفیت ظاہر ہو گئی۔ اس کے جواب میں شیبلی نے یہ اشعار پڑھے جو مشہور مشق

عرب مجنون مامری کے ہیں۔

رَبِّهِ وَرَقَاءُ مَتَوَيْنِ بِالْهَيْهَاتِ ذَاتِ شَجَرٍ صَدَّ حَسْبِي فَتَنَ

ایک کہوتری جو کچھ دن چڑھ چکی ہوئی رہی ہے اس کی آواز میں درد و افسوس

سے آواز دیتی ہے۔

مہر و مہر اریامین ۱۲

ذَكَرْتُ الْهَادِيَةَ سَائِلًا قَبِكَتْ حُزْنًا لَهَا جِثْ حُرْفِي
اُس نے کسی محبت اور کسی انگلی زبانے کو یاد کیا تو غم سے روئی اور میں نے
غم کو حرکت دے دی۔

فِي كَيْ سَرِيًّا أَسْرَقَهَا وَبُكَاهَا سَرِيبَتْ أَسْرَقَهَا
تو میرے رونے نے کبھی اُس کا دل رقیق کر دیا۔ اور اُس کے رونے نے
مجھے میرا دل مستیغ کر دیا۔

وَلَمَّا تَشَكَّرْتُهَا فَهَمَّهَا وَقَدْ أَشْكُوكَهَا فَهَمَّهَا
وہ شکایت کر رہی ہے اور میں اُسکی زبان نہیں سمجھتا اور میں شکایت کرتا ہوں
اور وہ میری زبان نہیں سمجھتی۔

عَذْرَائِي بِالْجُوفِ أَعْدِيَهَا وَهِيَ أَيْضًا بِالْجُوفِ تَعْرِضِيهَا
سو اس کے کہ سوزشِ عشق سے میں اُسے پچھتا ہوں اور اُسی سوزشِ عشق
سے وہ مجھے بچھتا رہتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الشَّيْخُ الْكَرِيمُ حُبُّكَ بَيْنَ الْحَشَى مُقِيمٌ
یہ وہ نون شعر بھی حضرت ابو بکر شبلی کی زبان سے گئے۔ اور نہ بے انھیں کہ میں
اُسے سردارِ کریم۔ تیری محبت میری سینے کے اندر ٹھہری ہوئی ہے۔

يَا رَافِعَ النَّوْمِ عَنْ جَفْوَتِي أَنْتَ بَعْدَ مَرَّةٍ بِي عَلَى مَرَّةٍ
اے میری پلکوں سے نیند غائب کرنے والے۔ پھر پھر کچھ گزری اُسے
تو جانتا ہے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس نے حق کو مجاہدات کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہا وہ مقصد سے دور ہے۔ اور جس نے اُسے اُسی کے ذریعے سے طلب کیا ہے وہ مل گیا۔ اور یہ فرما کے یہ دو شعر پڑھ دیتے۔

اِنَّهَا الْمَنِيْجُ الْاَثَرُ يَا سَفِيْلاً عَمَّرَكَ اللهُ كَيْفَ يَحْيِيْ عَمَامَ

اسے ثریا (ایک مشہور خاتون ثریا بنت علی بن عبد اللہ بن الحارث) کا نکاح رسل (رسل بن عبد الرحمن بن عوف زہری) کے ساتھ کرنے والے خلیفہ بڑی عمر کر کے کیونکر یہ دونوں جمع ہوں گے۔

مِنْ شَامِيَةٍ اِذَا مَا اسْتَكْمَلْتُ وَسُقَيْلٍ اِذَا مَا اسْتَكْمَلْتُ يُمَانِي

یہ (ثریا) جب طلوع کرے تو شاید ہوتی ہے۔ اور رسل جب طالع ہوتا ہے یمانی ہوتا ہے۔

یہ مشہور شاعر عمرو بن ربیعہ غزوی کے اشعار ہیں وہ ثریا اور رسل (مذکورین) کا عقد ہونے کی تعریف کرتا ہے۔ اور اُن دونوں کو آسمان کے ثریا و سہیل سے تعبیر کر کے کہتا ہے کہ قاضی صاحب آپ نے یہ کیا معجزہ دکھا دیا کہ ثریا اور سہیل کا قرآن پیدا کروا چلا لاکہ ثریا و سہیل کی طرف طلوع کرتا ہے اور رسل یمن میں۔

ایک شخص نے حضرت شبلی کے حلقہ ذوق میں شریک ہو کے اور سامنے موڑ کھڑے ہو کے پوچھا "حضرت آیا ایسا ہو سکتا ہے کہ صحت و خود کے آثار صاحبان و جبرہ ظاہر ہوں؟" فرمایا "ہاں۔ ایک نور نمایان ہوتا ہے جسکی حالت آتش

سے طبقات الکبریٰ بخسرائی ہوتا ہے۔

شوق سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اور انسانی بیگنون (جسمون) پر اس کے آثار پکے گئے ہیں۔ جیسے کہ ابن العزیز نے کہا ہے۔

وَأَمْطَرَ الْكَأْسَ مَاءً مِنْ أَمَارِقِهِمَا • فَأَكْبَتَ الدُّمْرُ فِي أَرْضٍ مِنَ الْعَنَبِ
جام میں صراحیوں سے ایک مینہ برسا جس نے سونے کی زمین (سطح جام) میں موتی اُگا دیے۔

وَسَبَّحَ الْقَوْمُ لَمَّا أَنْ مَاءً وَاعْجَبًا • فَوَزَّ مِنَ الْمَاءِ فِي نَارٍ مِنَ الْعَنَبِ
اور لوگوں نے جب پانی کا ایک نور انگوڑی آگ میں چمکتے دیکھا تو تعجب ہو کر بھانپ لیا کہ اسٹھ

مِلَاقَةُ بَوَازِئِهِمَا كَذَمْنِ الرَّحْمِ • كَانَتْ ذَخِيرًا كَسْرًا عَنَابِ نَابِ
آب انگوڑی کے قوم عاودا سے باغ ارج سے وارث ہوئے ہیں اور جو کئی کے وہاں آباد اجداد سے امانت چلا آتا تھا۔

ایک دن ناز عصر ٹپٹا بھول گئے۔ اور وقت آخر ہو گیا۔ جیسے ہی خیال آیا اٹھ کے ناز پرچی اور سنس کے یہ شعر اڑنا دفرمایا۔

كَيْفَ الْيَوْمَ مِنْ عَشْقِهِ مَسْلَاقِي • فَلَا أَذْهَابَ عِشَاقِي مِنْ غَدَايَةِ
اپنے عشق کی دُمن میں آج میں نازی بھل گیا۔ اب تو مجھے صبح و شام کا فرق بھی نہیں معلوم ہوتا۔

ایک مرتبہ کسی نے حاضر خدمت ہو کے عرض کیا کہ میرے حق میں دو عافریاں جواب میں ہنسنے لگا دیا۔

مَقْصُودُ مَنْ ذَا الْقَامِ يَشْفَعُونَ بِهٖ فَعَلِيٌّ رَأَيْتُ لَيْلَةَ الْفَتْحِ اِنَّكَ ذَلِيكَ
وہ زمانہ گزر گیا جب لوگ مجھ سے سفارشیں اٹھوایا کرتے تھے۔ اب تو کوئی
ایسا بھی ہو کہ کل لیل کے پاس جا کے میری سفارش کر دے۔

ایک مرتبہ عالم وجد و حال میں ابو نواس کا یہ شعر پڑھا تھا جسے ہم پہلے نقل
کر چکے ہیں اور اب پھر اُس کا اعادہ کرتے ہیں۔

بِیْ سَكُونٍ وَلِلنَّهْلِ مَلِكٍ وَاجِدٍ شَوْءٌ خَصَصْتُ بِهِ مِنْ بَيْنِهِمْ وَلَمْ يَكُنْ

مجھے وہ نقشہ ہیں اور حریفانِ صحبت کو صرف ایک ہی ایک ایسی چیز ہے جسے
یہ اُن میں سے ایک لائے ہیں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔

لوگوں نے کسی موقع پر کہا کہ آپ موٹے تازے نظر آتے ہیں۔ لیکن جس بہت
کا آپ کو دعویٰ ہے اُس کا یہ تقاضا تھا کہ آپ بڑے ہوتے۔ فرمایا۔

أَحَبُّ إِلَيَّ وَمَا أَدْرِي مَا بَدَيْتُ وَلَوْ أَدْرِي مَا أَكَامَ بِي السَّعْيُ

میرا دل محبت میں مبتلا ہوا۔ اور بدن کو خیر نہ ہوئی۔ اور اگر خبر ہوتی تو متاثر
ابو محمد ہروی کا بیان ہے کہ جس رات حضرت ابو بکر شبلی کا انتقال ہوا ہے
ساری رات وہ بھی دو شعر پڑھتے رہے۔

كُنْ يَتِيْبًا اَنْتَ سَاكِنٌ غَيْرُ مُجْتَابٍ اِلَى السُّرُجِ

ہر مکان جس کا رہنے والا تو ہو اُس میں چراغ روشن کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَبُجْمِكَ الْمَأْمُولُ مُجْتَنًى يَوْمَ يَأْتِي النَّاسُ بِالنَّجْجِ

تیرا چہرہ جو لوگوں کی امید گاہ ہے ہماری دلیل ہو گا جس دن کہ لوگ اپنی

سہ نجات لائیں۔ ہمدردی سے رسالہ شریعہ ۲۰۵۵ نجات لائیں۔ ۱۰۵۵

اپنی دلیلیں ماکے پیش کوین گئے یہی خیال فارسی میں کس خوبی سے ادب کیا گیا ہو۔
 روزِ قیامت ہر کسے در دست گیر تامل
 من نیز حاضرے شوم تصویر جان و بطن
 آخر عمر میں اکثر یہ شعر بھی آپ کی زبان فیض ترجمان پر جاری رہتا تھا۔
 وَكَمْ مِنْ مُّضِجٍ لَوْ مَسَّ فِيهِ
 لَكُنْتُ بِهِ كَالْأَعْتَبِ
 اور کتنی جگہیں ہیں کہ اگر میں اس میں مر جاؤں تو وہاں دامن کے حق
 میں ایک عذاب ہو جاؤں۔

جبکہ شاعر کا عام طاری تھا تو گون نے کہا کیسے لا۔ لا اللہ فرمایا۔
 قَالَ سَلَطَانٌ حَبِيبًا أَلَا أَقْبَىٰ الْوَشَا
 كَلَعٌ عَجَافٌ لِّسَرِ بَقْلِي عَجَافٌ شَا
 اُس کی محبت کے سلطان نے کہا کہ میں رشوت خانیں قبول کرتا تو اُس کے
 حق کا واسطہ دلا کہ اُس سے پوچھو کہ پھر میرے قتل کے مارچ میں کیوں لوگوں کے کئے
 میں آگیا۔

شاید متبع اور حقیق سے آپ کے اور اشعار یا آپ کے مذاق شعر خانی کے
 اور نونے فقرات جابین گراں قدر بہت کافی ہے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ
 آپ کا مذاق شاعرانہ کس قدر کھچا اور لطیف تھا۔ اور کیسے صحیح عمل پر
 آپ شاعر کو کام میں لاتے تھے۔ کیا عجیب کہ تصوف میں شاعری کی چاشنی بنانا
 اور شاعری کو تصوف کا خلعت نہانا نہ پتا دینا آپ ہی کا ایجاد ہو۔ لیکن ایسا دعویٰ
 کرنے کے لیے انہی ہم تیار نہیں ہیں۔

آپ کے سفر

امام ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں کہ "صوفیہ کی حالتیں جداگانہ رہی ہیں۔ ان میں سے بعض بزرگ اول سے آخر تک مقیم ہی رہے۔ اور اپنے کچھ عزت کو چھوڑ کے منزل سفر میں کبھی قدم نہ رکھا۔ جیسے حضرات جنید بغدادی۔ سہیل بن عبد اللہ بن عیسیٰ اور ابو یوسف حماد وغیرہم۔ بعضوں نے سفر اختیار کیا۔ ساری زندگی غریب و وطنی کی اندر کر دی۔ اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی سیاحت ہی میں تھے۔ جیسے ابو عبد اللہ مغربی۔ ابراہیم بن ادہم وغیرہما۔ بہتوں کی یہ حالت تھی کہ ابتداً احوال میں مشغول سیاحت ہوئے۔ بہت سے سفر کیے۔ اور اس کے بعد ایک جگہ پاؤں توڑ کے بیٹھ گئے۔ جیسے ابو عثمان حیری۔ اور ابو بکر شبلی وغیرہما۔"

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ ابو بکر شبلی کی زندگی ابتداءً سفر میں گذری۔ اور آخر عمر میں اقامت گزین ہو گئے تھے۔ لیکن افسوس کہ آپ کی سیرت لکھنے والوں نے آپ کے حالات سفر بیان کرنے میں نہایت بے پروائی اور کوتاہ قلبی سے کام لیا ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ نے ایک ہی نہیں متعدد سفر حج کیے ہوں گے لیکن کتب سیر سے آپ کا ایک دفعہ حج کرتا بھی نہیں ثابت ہوتا۔ ان محاضرات کی ایک مشہور کتاب میں البتہ آپ کے حالات زندگی کے تذکرہ میں یہ واقعہ نظر پڑا کہ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے۔ دور سے جیسے ہی مکہ مندر کی عمارت نظر آئی ذوق و شوق کا ایسا بیان ہوا کہ غش کھا کے گر پڑے۔ اور جب قریب آیا

عمرہ مار قشیرہ۔ ۱۰۱۔

تو زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

هَذَا دَأْوُهُمْ وَأَنْتَ حُبٌّ مَا بَقَاءَ الدَّاعِ مَوْجِبٌ فِي الْأَقَامِ

یہ ان کا مکان ہوا اور تو عاشق ہے۔ پھر آسوؤن کا آنکھوں میں باقی ہٹا گیا
ہمارے سابقہ بیانون سے معلوم ہو چکا ہے کہ تقوف کے مدد سے روحانی میں آنے
سے پہلے آپ نبی ہند کے والی اور حاکم تھے۔ لہذا اس زمانے کو بھی سفر کا زمانہ خیال کرنا
چاہیے۔ کیونکہ وطن سرمن راہی تھا حکومت علاقہ جیل کی۔ مگر اس سفر کو اس قسم کی
غریب الوطنی سے کوئی علاقہ نہیں جو بقول علاقہ قشیری کے اہل بطن کی ریاست
اور ایک قسم کی شان ولایت ہے۔

ہاں اس کے چند روز بعد جب آپ حضرت جنتی کی خانقاہ فیض میں پہنچے
اور آنکھوں نے فرمایا کہ تم ایک خوبصورت حاکم رہ چکے ہو اور خدا کی مخلوق کا ایک
بڑا حصہ تمہارے زیر دست رہ چکا ہے پہلے وہاں جا کے ہر اس شخص سے جو تمہارے
زیر حکومت رہا ہو معافی چاہو اور حق العباد سے سبکداری حاصل کر دو اس وقت
آپ کا چلہ سفر ولایت شروع ہوا۔ افسوس ہمیں آپ کے اس سفر کے بھی تفصیلی حالات
نہیں معلوم لیکن خیال سے مدلی جائے تو نظر آجاتا ہے کہ آپ کس طرح گاؤں
گاؤں پھرے ہوں گے۔ ایک ایک دروازے پر گئے ہوں گے اور ہر ایک
لوگوں کے سامنے جو کل تک حلقہ گمشدہ امارت تھے سرعزجہ کیا ہو گا اور رعایا
عفو تقصیر کی خواہش کی ہوگی جنہوں نے اپنا کچھ حق بتایا ہو گا ان کا حق ادا کر لیں گی
کوشش کی ہوگی اور چند زمین سبکدوش ہو کے دل پر سے حق العباد کا بار

امام کے بچے پھلے معتمد اور شگفتہ خاطر حضرت شیخ کی خدمت میں واپس آئے ہوئے۔
 لیکن ابھی سفر کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ سرکش نفس کا غرور توڑنے کے لیے
 دربار شیخ سے اور ریاضتیں بھی بتائی گئی تھیں جن میں سے دو سال گدائی و
 دیوزد گری کرنا تھا۔ اس زمانے کو بھی سفر ہی میں شامل سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ کسی
 جہد قیام کیلئے اور شب و روز پھرتے اور ادھر ادھر گشت ہی لگائے رہے۔ غالباً
 آپ کے ہی سفر میں جن کی بنا پر اہل سیرکتے ہیں کہ آپ کا ابتدائی زمانہ سفر میں بسر ہوا
 آپ کی زندگی میں دو ایک واقعات اور بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں جن سے
 ضمنی طور پر آپ کے سفر اور بادیہ گردی و دشت نوردی کا پتہ لگتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بادیہ عرب میں آپ دشت نوردی کرتے ہوئے قمر
 کے ایک قبرستان پر گزرے۔ جہاں دیکھا کہ ایک شخص روٹا ہوا بار آسمان کی طرف سر
 اٹھا کے دیکھتا۔ پھر زمین پر گال رگڑتا ہے اور سبج و تھلیل میں مشغول ہے۔ دل میں
 آتی کہ اس سے جل کے مٹا چاہیے۔ چنانچہ راستہ چوڑے اس کی طرف چلے۔ اس نے جو
 آتے دیکھا تو انہ کے آگے روانہ ہوا۔ آپ نے قدم تیز کیے تو وہ زور سے بھاگے لگا۔
 آخر آپ نے تنگ آ کے آواز دی کہ "اے ولی اللہ۔ بندہ ٹھہریے۔" اس نے دور ہی سے
 جواب دیا کہ "میں آپ نے قسم دلائی۔ لیکن اس نے اب بھی نہ مانا۔ تب آپ نے کہا اچھا
 گر باس نہیں آتے تو اپنی سچائی کا ثبوت دو۔" یہ سننے ہی اس نے تین بار اللہ اللہ
 اللہ کا غرہ بند کیا اور دم سے گر پڑا۔ قریب جا کے دیکھا تو تن بھان تھا اور روح
 سفارت کی پٹکی تھی۔ اب آپ کو فکر ہوئی کہ اس خدا رسیدہ شخص کی تجویز و تکفین کا انتظام
 کرنا چاہیے۔ اس قبرستان سے نکل کے ایک قبیلہ عرب کے پڑاؤ میں تشریف لے گئے۔

ان سے اس فرض کفائی کے متعلق مدد حاصل کی۔ اور واپس آئے۔ لیکن بیان کے
 جو دیکھتے ہیں تو لاش غائب ہے۔ متغیر و پریشان کھڑے تھے کہ ہم غیب کے آواز دہی "عالم
 نے اسکی تجیز و کفین کر دی۔ تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو جا کے عبادت کر۔
 بعد قہ و تیرات دے اور اپنے کام سے لگ۔ کیونکہ انھیں اغفال کی بدولت میں
 مرحوم شخص نے یہ مرتبہ پایا۔ اب آپ کو زیادہ حیران ہونے کے یہ کون تجھیں تھا؟
 اور اس کے کیا حالات تھے۔ چنانچہ ان سوالات کو بآواز بلند اس سنا۔ غیب
 کے سامنے پیش کیا۔ جواب ملا کہ یہ شخص ابتدائے عمر میں نہایت ہی گنہگار
 تھا۔ فسق و فجور اور زنا میں مبتلا تھا۔ لیکن بارہ برس کا زمانہ گزرا کہ ایک خواب
 سے متنبہ ہو کے توبہ کی اور متقی ہو پہنچا ہوا گیا۔ کل کے دن اتفاقاً ایک سائل نے
 اس سے سوال کیا۔ جسے اس نے اپنے پیرے اٹار دے۔ سائل نے خوش ہو
 دیا کہ خدا تیری مغفرت کرے۔ وہ دعا خدا نے قبول کر لی اور اسے یہ رتبہ
 عطا ہوا کہ فرشتوں نے تجیز و کفین کی ہے۔

اسی طرح کا ایک وہ واقعہ سفر میں ہے جسے ہم بیان کرتے ہیں کہ اگل
 حلال کھانے کا عہد کیا تھا۔ جگل بیابان میں مار سے مار سے پھرتے تھے۔ اور
 بھوک لگی ہوئی تھی۔ اتفاقاً ایک انجیر کا درخت نظر آیا۔ ہاتھ بڑھایا کہ کچھ پھل
 توڑ کے کھائیں کہ خود اس درخت نے آواز دی کہ اپنے عہد کو نہ توڑو۔ اور میرے
 پھل کھانے کا ارادہ نہ کرو۔ کیونکہ میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں۔
 ادب کی بعض کتابوں میں حضرت شیخ ابو بکر شلی ہی کی زبانی ایک بڑا

طوائف قصہ بیان کیا گیا ہے جس سے آپ کے دوا و سفر و دن کا پتہ چلتا ہے۔
 اُس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالسلام بغداد میں ابو عبد اللہ اندلسی نام
 ایک بڑے صاحب علم و فضل دلی اشد تھے جو قرآن مجید کی تمام قرأتوں سر و قلم
 اور ۳۰ ہزار حدیثوں کے حافظ تھے۔ وہ ایک مرتبہ متقیدین اور اہل باطل و باجواب
 کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ سفر کو نکلے۔ ہمراہیوں میں جنید بغدادی اور
 شیخ ابو بکر شبلی بھی تھے۔ ارض شام کے ایک گاؤں میں پہنچ گئے انھوں نے
 سیحون کی صنم پرستی دیکھی۔ اور انھیں ذلت کی نظر سے دیکھا۔ اسی اثنائیں کسی
 کنوین پر رئیس قریہ کی پری ہال لڑکی پر جو رومی الاصل تھی نظر پڑی اور عاشق
 ہو گئے۔ کل ہمراہیوں کو چھوڑ کے اور سب کو واپس کر کے شادی کا پیام دیا۔
 جواب ملا کہ جسے اس نازنین کی آرزو ہو دین مسیحی اختیار کرے۔ اگر جون کی
 خدمت کرے۔ اور سوچے کہ ابو عبد اللہ موصوف نے سب شرطیں منظور
 کر لیں۔ اور عیسائی ہو کے سوچ جانے لگے۔

ایک زمانے کے بعد شیخ ابو بکر شبلی شیخ موصوف کے چند مریدوں کے ساتھ
 پھر اُس گاؤں میں پہنچے اور انھیں اس اتر حالت میں پایا کہ دین سے
 بے نصیب۔ قرآن و حدیث بھول گئے۔ علم و فضل رخصت ہو گیا۔ اور عیسائیوں
 کی قہر پی پنے ہوئے سوچ رہے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو
 خلافت و مگر اہی میں۔ حیت الہی سے دور۔ کفر و شرک میں مبتلا۔ اور عبرت
 روزگار یاد کر رہے ہیں۔ ان سب لوگوں نے واپسی کی درخواست کی تو انھوں نے
 کہا خدا کو جو کچھ منظور ہے وہی ہوگا۔ تم اس میں دخل نہ دو۔ اور اپنی حالت یہ رہے۔

حضرت ابو بکر شبلی مع اپنے ہمراہیوں کے واپس روانہ ہوئے تو شیخ ابو عبد اللہ
 اندھنسی نے درگاہ باری تعالیٰ میں دعا کی جو قبول ہوئی۔ اور نورایمان سینہ میں
 پمکا۔ آگے تیسرے دن حضرت ابو بکر شبلی بسے مل گئے غسل کر کے پاک کپڑے پہنے۔
 عبادت کی۔ اور پھر ان میں وہی اگلا سا علم و فضل اور زہد و تقویٰ موجود تھا۔
 انھوں نے بیان کیا کہ مسیحوں کی صنم پرستی دیکھ کے میرے دل میں غرور اور
 خود پرستی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اُسی کی بجائے یہ سزا ملی کہ انھیں کچھ فتنہ میں مبتلا کیا گیا
 اس کے بعد وہ بغداد میں واپس آئے اپنی خانقاہ میں مقیم ہوئے۔ اور پھر وہی
 ذوق و شوق اور عبادت و ریاضت کی صحبتیں قائم ہو گئیں۔

ان کو واپس آئے چند روز ہوئے تھے کہ ایک دن کسی نے دروازے
 پر دستک دی۔ حضرت ابو بکر شبلی نے جو اس وقت صحبت میں موجود تھے دروازہ
 کھولا تو دیکھا کہ ایک عورت سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی کھڑی ہے اور کہتی ہے کہ
 شیخ نے کو جس ترک کو آپ فلان گاؤں میں چھوڑا ہے مجھے حاضر اُس کے آنے کا
 حال سن کے شیخ ابو عبد اللہ اندلسی کا چہرہ سفید ہو گیا۔ جو اس کے حال پر پچھا تو بٹھے
 کہا کہ آپ کے چلے آنے کے بعد میری بیٹی اور اہلجن بڑھی۔ ایک محترم پیر مرنے
 خواب میں آئے کہ ہدایت کی کہ تو شیخ محمد اللہ کی پیروی کر اور مسلمان ہو جا چنانچہ
 میں ان کی تلقین سے مسلمان ہوئی۔ پھر انھوں نے میری آنکھیں بند کرائیں۔
 اور ہاتھ پکڑ کے دو قدم چلے۔ تھوڑی دیر میں انھوں نے مجھے بیان بدلے کے کلاسے
 لاکے کھڑا کر دیا۔ اور اشارہ کر کے بتایا کہ وہ سامنے شیخ کی خانقاہ ہے۔ اور تم
 جانا تو کہنا کہ حضرت نے آپ کو سلام کہا ہے۔ یہ سن کے شیخ نے اُسے رستے کو ایک

حجرہ دیا۔ مگر پہل دفعہ صورت دیکھنے کے بعد پھر کبھی اُس سے نہ ملے تھے۔ اور وہ شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھی۔ یہاں تک کہ بڑی مشہور حیدرہ زمانہ ہو گئی۔

تھوڑے زمانے کے بعد وہ بیمار پڑی۔ اور مرض بڑھا ہی گیا۔ جب زندگی سے مایوس ہوئی تو شیخ کے پاس کھلا بھیجا قبل اس کے کہ مین دنیا سے رخصت ہوں ایک دفعہ مجھے اپنی صورت دکھا جائے۔ شیخ ابو عبد اللہ گئے۔ اُسے روتے دیکھ کے دل نہ ہی کی۔ اور فرمایا کہ کل پیم القرامین ہمارا تھا راحۃ ہوگا۔ گھبراؤ نہیں۔ اس کے بعد وہ مر گئی۔ کچھ دنوں بعد شیخ نے بھی مرض موت میں مبتلا ہو کے غمِ آخرت کیا۔ اور شیخ ابو بکر شبلی نے خواب میں دیکھا کہ بارگاہِ صدی سے انھیں ستر حورین عطا ہوئی ہیں۔ اور سب سے پہلے اُن کا عقد اسی رومیہ لڑکی کے ساتھ ہوا ہے۔

بس بس کے سوا آپ کے سفر کا اور کوئی واقعہ ہمیں نہیں معلوم ہو سکا۔

سماع اور صحبتِ حال و قال

حضرت جنید بغدادی کی طرح آپ بھی باوجود غریق بحرِ معرفت ہونے اور خود فطرت کی متانہ شان رکھنے کے سماع کی نسبت یہی رسلے رکھتے تھے کہ سناء ہی ناک اور بظرف ناک چیز ہے۔ ایک دن لوگوں نے پوچھا کہ یا حضرت سماع کی نسبت یہ کیسے رکھتے ہیں؟ ”فرمایا“ اُس کا ظاہر قنہ ہے اور باطن عبرت۔ لہذا

جسے اشارات یعنی رموز باطن میں پوری معرفت حاصل ہو وہی اس کے ذریعہ سے
غیرت حاصل کرنے کا مجاز ہے ورنہ قند میں پڑ جائے گا۔

اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی رائے میں سماع مخصوص انھیں لوگوں
کے لیے ہے جو اس کے اہل ہوں۔ اس کی عام مصلحتیں گرم کر دینا۔ اور ہر کہ وہ کے
یہ نکتہ ضرور ذکر کا دروازہ کھول دینا ہرگز نہ نہیں۔ علی الخصوص حسب یہ بھی ثابت
نہیں ہو سکتا کہ حضرت عیسیٰ و نبی کے عہد میں حسم کے سماع کو اہل ذوق نے اپنے لیے
جائز کیا تھا اس میں مزامیر اور آلات طرب بھی تھے یا صرف خوش گلونی کے ساتھ
شعر خوانی تھی۔

آپ نے ایک مرتبہ سوال کیا گیا تھا کہ بعض لوگ گانا سنتے ہیں۔ اور اگرچہ شعرا
کا مطلب نہیں سمجھتے مگر حال آجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے نسبت آپ کیا ارشاد فرماتے
ہیں؟ جواب میں آپ نے مجنون علمری کے چار شعر چڑھ کر فرمودے ہیں۔ اور
ان سے اس اعتراف کا جواب شافی بھی ایسی خوبصورتی سے مل جاتا ہے کہ
اس سے اچھا عنوان جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دب ورفاء حقون بالحق ذات شجوب صدحت بفاصلت

ہمارے احاطہ میں ایک کھوڑی آواز آرہی ہے اس کی آواز میں درد
ہے اور بچوں میں بول رہا ہے۔

وَلَقَدْ أَشْكُوْنَا أَفْهَمْنَا - وَلَقَدْ أَشْكُوْنَا فَمَا أَفْهَمْنَا

وہ بھی شکایت کرتی ہے جسے میں نہیں سمجھتا اور میں بھی شاکر ہوں اس کی

سمجھ میں نہیں آتی۔

عَذْرَاتِي بِالْهَوَىٰ أَغْرَقْنَهَا وَهُوَ أَيْضًا بِالْهَوَىٰ تَغْرَقُنِي

سو اس کے کہ عشق کے قمار کھانے سے میں اُسے پہچانتا ہوں۔ اے
ہذا القیاس وہ مجھے عشق کے ذریعہ سے پہچانتی ہے۔

ذَكَرْتُ الْفَاوِدَ فَسَرَّاهَا فَبَكَتْ شَجْوًا وَهَاجَتْ شَجْوًا

وہ محبت اور اچھے زمانے کو یاد کر کے درد سے روئی اور میرے غم کو حرکت
دے دی۔

آپ کے اس ذوق و شوق کا یہ اثر تھا کہ آپ کے عالی مرتبہ اور صاحبِ علم
فضل تلامذہ بھی سماع کے نہایت ہی دلدادہ تھے۔ چنانچہ ابو القاسم نصر آبادی
کا شمار بھی اسی قسم کے صاحبانِ ذوق میں تھا۔ وہ آپ کے اعلیٰ درجے کے
اصحاب میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ علم حدیث اور کثرتِ روایت میں شہرت رکھتے
تھے۔ اور اپنے عہد میں شیخ خراسان مشہور تھے۔ مگر باوجود ان کمالات ظاہری
کے انھیں سماع میں بہت دلچسپی تھی۔ بیانِ تک کہ ایک دن ان میں ابو عمرو
بن نجید میں جو ابو عثمان حیرری کے اصحاب و تلامذہ میں تھے اور جنید بغدادی کی
آنکھیں دیکھتے ہوئے تھے کسی صحبت میں تکرار ہو گئی۔ ابو عمرو نے انھیں سماع اور فقہ
وغیرہ میں منہمک ہونے پر الزام دیا نصر آبادی نے جواب میں کہا میں بے شک
مزم ہوں اور آپ کا کتنا سچ ہے مگر جس صحبت میں ایک شخص تو قولِ نیاح کتا ہو
اور باقی سب خاموش ہوں اُس مغل سے ابھی ہے جس میں غیبتیں کی جاتی ہوں۔

اُس کے متعلق ہمیں کوئی حاکم کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس واقعہ کو
 ضمناً آہنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ اُس وقت کے سامع کی سمجھوتوں میں صرف
 ایک منفی گلے والا ہوتا تھا اور اُس کے ساتھ کوئی اور آواز نہیں سُنی جاتی
 تھی۔ اگر مزید یعنی ظہور سے اور ڈھولک کے قسم کی کوئی چیز ہوتی تو ابوالقاسم
 نصر آبادی یہ نہ کہہ سکتے کہ "ایک شخص تو قولِ مباح کہتا ہوا اور باقی سب خاموش
 ہوں" لہذا وہ غنا صرف شرعوانی سے عبارت ہے نہ فقر و سرود سے جیسا کہ اکثر
 عوام میں خیال کیا جاتا ہے۔

تعلیم اور طرزِ تعلیم

آپ کی تعلیم نہایت سخت تھی۔ اور اس قدر دشوار کہ بہت کم لوگ اُس کے
 متحمل ہو سکتے ہوں گے۔ لیکن مدرسہ باطن کی تعلیم ہوتی ہی سخت ہے۔ کیونکہ ہاتھ
 پاؤں اور تمام اعضا و جوارح کو کسی کام سے روک کے اپنے قابو میں لانا ناممکن
 نہیں جس قدر کہ دل کو صرف ایک طرف متوجہ رکھنا اور خیال کو ادا ہر ادا ہر
 جانب سے روکنا ہے۔ اگر ہم اپنے نفوس کا اندازہ کریں تو دل پر ایسا قابو حاصل
 کرنا ہمارے نزدیک منجملہ محالات نظر آتا ہے۔

حضرت عقیقہ بغدادی نے اپنے مدرسہ باطن میں لیتے وقت جیسی جیسی سخت
 ریاضتیں آپ سے کرائیں اُن پر کاربند ہوتا اور اُن کو بجالاتا ہی ہے کہ
 آپ ہی کا کام تھا۔ ورنہ ہماری توانائی محال نہیں کہ نفس انسانی کو یوں غرور
 میں بند کر کے اپنا مطیع و منقاد بنالیں۔ لیکن جان آپ نے میاں خدا پرستی میں سخت

قرار دیا تھا وہاں خدا نے آپ کو مرید اور عقیدت کیش بھی ایسے بچے صاحب
 خلوص اور دامن لے کئے تھے تھے کہ ہر طرح کی ریاضت و نفس کشی کرنے پر
 آمادہ ہو جاتے اور چاہے کیسی ہی رحمت و نصیبت کا سامنا ہو تا مرشد کا حکم جاکا
 میں کو تا ہی نہ کرتے۔ دراصل اُس زمانے کی ہی خیر و برکت تھی جس نے بزم
 فن میں ایسے ایسے با کمال پیدا کر دیے جیسے کہ اسلام کو پھر کم نصیب ہوئے۔
 ابو العباس و امثالی کو جو آپ کے مریدین میں تھے آپ نے ہدایت
 فرمائی کہ 'صوت اختیار کرو۔ لوگوں میں سے اپنا نام شادو۔ اور دیو اور کیرٹ
 منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں موت آجائے گا ایکٹ مرید و گو
 نصیبت فرمائی کہ پرہیزگاری تین طرح کی ہے۔ (۱) زبان سے۔ (۲) ارکان سے۔
 (۳) اعضا و جوارح سے (۴) اور دل سے۔ زبان کی پرہیزگاری یہ ہے کہ جس امر
 سے کچھ تعلق نہ ہو اُس میں انسان خاموش رہے۔ ارکان کی پرہیزگاری یہ ہے
 کہ تشہات چھوڑ دیے جائیں اور جو چیز شکوک پیدا کرتی ہو اُسے چھوڑ کے اُس چیز
 کی طرف رجوع کیا جائے جس میں شک و شبہ نہیں۔ اور دل کی پرہیزگاری
 یہ ہے کہ ذلیل و خیر ارادوں اور بُرے خیالات سے بچنا چھڑایا جائے۔
 حصری ہوا آپ کے مریدان خاص میں تھے جب پہلے پہل مرید ہو کے علم میں
 میں مشغول ہوئے تو حضرت ابو بکر شبلیؒ کی خدمت میں ہر جمعہ کو حاضر ہو کے درس
 حقیقت لیا کرتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ ایک جمعہ سے دو جمعہ تک
 جبکہ تم میرے پاس آئے ہو انشائاً میں اگر خدا سے واحد و ذوالجلال کے سوا کسی

اور کا خیال بھی تھا کہ وہ دل میں گزر جائے تو تعین میرے پاس آنا حرام ہوگا۔
ایک مرتبہ ایک درویش اپنی ریاضت میں ہارا ہوا اور اپنی زندگی سے
بیزار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا حضرت۔ وفاداری دین کا واسطہ
میری فریاد سی کیجیے۔ بتائیے کہ اب کیا تدبیر کروں؟ کیا اس راہ حق سے مایوس
ہو کے واپس لوٹ جاؤں؟ فرمایا "اے شخص! تو تو کفر کے دروازے کی گٹھی
کھڑکڑا رہا ہے۔ کیا نہیں سنا کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ؟ (رحمت الہی سے امید نہ ہو)
یہ کہتے ہی اُس نے کہا "ہاں اب مجھے اطمینان ہوا" اُس کی زبان سے یہ کلمات
سُن کے آپ نے فرمایا "ہاں! حضرت حل و علا کو آزما رہے؟ کیا نہیں سنا کہ
خلا یا من کر اللہ الا القوم الخاسرون (سوا بد نصیب زبان کاروں کے کوئی شخص
اللہ کے مکر سے بے پروا نہیں ہے) بولا پھر آپ ہی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ ارشاد
ہوا "جا حضرت عزا محمد کے دروازے پر سرٹک بیان تک کہ دم حل جائے۔
شاید آواز آ جائے کہ من بالباب" (دروازے پر کون ہے؟)

اس سے بخوبی روشن ہے کہ جس منزل باطن میں آپ آئے
مردوں کو لیجانا چاہتے تھے وہ کس قدر دشوار اور دشمن تھے۔ اور کیونکر
نہ ہو اسی راستے کو بڑی سخت آزمائشوں اور دشواریوں سے دشوار
ریاضتوں سے خود آپ نے طے کیا تھا غرض حضرت جنید نے جس قسم
کی نفس کشیاں آپ سے کرائی تھیں ویسی ہی نفس کشیاں آپ اپنے مریدوں
سے کراتے، اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کے اور تو بیکر کے طالب حق ہو

تو آپ اُس سے فرماتے جنگل میں جا۔ تو گل اختیار کر۔ اور تمام امور سے مجرور
 ہونے کے بعد خانہ کعبہ کا حج کر کے آیت تو میری صحبت کے قائل ہو گا۔ یہ کہنے
 کے بعد بغیر کسی زور اور اور سواری کے اُسے اپنے ہم صحبتوں کے ساتھ جنگل کی طرف
 روانہ کر دیتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ "آپ تو خدا کی مخلوق کے ہلاک کرنے کا
 بند و بست کر رہے ہیں" فرمایا "نہیں۔ میرے پاس جو آتا ہے اُس کی غرض خدا
 شناسی ہوتی ہے۔ میری صاحب کھنکھنے سے بے کوئی نہیں آتا اور اگر بالفرض اُس کے
 دل میں میری خدمت ہی کا خیال ہے تو پھر یہ نیت پرستی ہو۔ اور اس سے تو وہ
 میرے پاس آئے سے پہلے ہی اچھا تھا۔ کیونکہ موصداً ساق زار ہوا ہوں سے افضل
 اعلیٰ ہوتا ہو۔ اور جب معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کی غرض جستجو سے حق ہے تو پھر
 کوئی اندیشہ نہیں۔ اس راہ میں ہلاک ہونے تو بھی سمجھو کہ غار پرeram ہو گئے۔ لیکن
 اگر یہ سب مصیبتیں جھیل کے و پس آگئے تو اس سفر کی تکلیفیں انہیں ایسا بڑا
 بنادین گی کہ بیان ٹھہرے اگر دس سال تک خانہ کعبہ سے تو بھی اتنے درست نہیں
 اس ارشاد سے بخوبی پتہ چل سکتا ہے کہ آپ کیسی سخت ریاضت کرا رہے تھے۔
 اور جو شخص آپ کے حلقہ ارادت میں شریک ہو جاتا تھا اُس کی کتنی جلد صلاح
 ہو جاتی تھی۔

جو مرتبہ آپ کی خانقاہ میں حاضر رہتے ان سے بھی تھوڑی نفس کشی نہیں
 کرائی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنی خانقاہ سے محل کے
 مریضوں میں تشریف لائے جن کا شمار چالیس تھا۔ اور ان سے فرمایا "لوگو!

اللہ جل شانہ بندوں کے رزق کا نسیل ہے۔ اور فرماتا ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (نور پر بزرگاری) کے ساتھ اُسکی طرف رجوع کرے اُس کے لیے سب کے ذریعے کوں تا۔ اور وہاں سے رزق دیتا جہاں سے ملنے کا اُسے خیال بھی نہ تھا۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہی اُس کے لیے کافی ہے) آپ کی ہدایت میں کے سب نے توکل اختیار کر لیا۔ اُسی اللہ جل شانہ سے لو لگائی۔ اور سب طرف سے توجہ ہمائی۔ آپ انہیں دس عہد کا پابند کر کے واپس چلے آئے۔ اور اُن کی یہ حالت ہوئی کہ تین دن گزر گئے۔ اور کھانے کو کچھ نہ ملا۔ تیسرے دن آپ پھر تشریف لے گئے اور فرمایا لوگو! اللہ جل شانہ نے سب کو بندوں کے لیے سیاح کیا ہے۔ اور فرماتا ہُوَ الَّذِي يَخْلُقُ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُكُورًا وَأُنْثَوًا فَمِنْكُمْ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ (لہذا اُس نے زمین میں جو جس نے زمین کو تھوڑے سا سنے عاجز و ذلیل بنا دیا۔ لہذا اُس کے راستوں میں چلو اور اُس کے رزق کو کھاؤ) اس لیے اب مناسب ہے کہ جو شخص تم میں سب سے زیادہ نیک نہ ہو اس عزت گاہ سے نکل کے جانے اور تلاش معاش کرے۔ شاید کچھ قوت اُس کے ذریعے سے نصیب حاصل ہو جائے۔ چنانچہ سب نے ایک شخص کو منتخب کیا۔ اُس نے جا کے شرقی مغربی ہندو میں چکر لگایا۔ مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ تین دن کا بھوکا تھا۔ اور نہایت ہی توان ہوا تھا۔ ہاتھ ہتھ پیرنے سے ضعف اور بڑھا۔ اور چلنے سے معذور ہو گیا۔ آخر مجبوراً ایک نصرائی عہدہ ہندو کے درجے تھے ایک چور یا سے دھند کے شرقی جانب آباد تھا۔ اور وہ سلاخ لگا مغرب جانب۔ تھا یہ دونوں حصے شرقی مغربی ہندو کے نام سے مشہور تھے۔

طیب کے مطب کے پاس جا کے بیٹھ گیا۔ بیان خلقت کا ہجوم تھا۔ ہر مرض کے مریض جمع تھے۔ اور حکیم صاحب علاج کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے دواؤں کے افعال و خواص بیان کرتے جاتے تھے۔ جب بھیڑ چھٹی اور جمع کم ہوا تو حکیم صاحب کی نظر اس شکستہ پافتیر پر پڑی۔ شفقت کی نظر سے دیکھ کے پوچھا "تھیں کیا شکایت ہے؟" بیان مانگنے کی عادت تو قوی نہیں۔ اور پھر مانگنا بھی ایک غیر مذہب شخص سے۔ زبان نے عرض حال کی باری ندوی مگر ایک بے اختیار کی حرکت سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ طیب نے نبض دیکھی۔ اور دل میں سمجھ گیا۔ کہا "تمہارا مرض معلوم ہوا۔ اور اُس کی دوا بھی جانتا ہوں۔ مگر ذرا صبر کرو۔ پھر اپنے غلام کو بلا کے حکم دیا کہ بازار سے جا کے ایک رطل روٹی۔ ایک رطل بٹھا ہوا گوشت۔ اور ایک رطل خولائے آؤ۔ جب غلام ان چیزوں کو لایا تو حکیم صاحب نے اُن تھیں ورویش کے حوالے کر کے کہا "تمہاری دوا یہ ہے۔ فقیر نے کہا آپ نے مرض تو خوب تشخیص کیا مگر مجھے اتنا اور عرض کر دینا چاہیے کہ اس مرض میں چالیس آدمی مبتلا ہیں۔ دریا دل طیب نے فوراً غلام کو بھیج کے مذکورہ غذاؤں میں سے ہر ایک چیز چالیس چالیس رطل کی مقدار میں منگوائی۔ پھر ان سب چیزوں کو خواتین دنگا کے ایک مزدور پر لے دیا۔ اور حکم دیا کہ یہ شخص جان لے جائے۔ ان چیزوں کو ساتھ جا کے پہنچا آئے۔ غرض حضرت شبلی کا یہ مرید خاص خداوند جل جلالہ کی عطا کی ہوئی ان نعمتوں کو لیے ہوئے اُس عزت گاہ میں پہنچا جان آپ اپنے اتالیس مریدوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مصروف ذکر اکی تھے۔ آپ اُس کے آنے کی خبر سنتے ہی اپنی خلوت گاہ سے باہر نکل آئے۔ کھانے کو

دیکھا اور سرمایا "اس کھانے کا عجیب مجید ہے" پھر اس مرید سے ساری گزشتہ
 نئی حد اور جب وہ بیان کر کے خاموش ہوا تو فرمایا "کیا تم لوگ راضی ہو کہ ایک
 نصرانی کا کھانا کھاؤ؟ اور کچھ معاوضہ نہ کرو؟" سب نے عرض کی کہ "یا حضرت
 اس کا معاوضہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا "اس کے حق میں دُعا کے خیر کردار اب
 سب نے ہاتھ اٹھا کے اس کے لیے ہدایت اور خیر و برکت کی دُعا کرنا شروع
 کی۔ اتفاقاً وہ نصرانی طبیب بھی ان مریضان توکل کی حالت دیکھنے کے لیے اس
 مرید کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔ اور بیان باہر کھڑے ہو کے ایک روشن دان میں
 سے جھانک بھانک کر کے ان سب کیفیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب ان لوگوں کی اصلی
 حالت دیکھی تو نہایت متاثر ہوا۔ اور جب سب نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے
 تو ضبط نہ ہو سکا آگے دو واڑے پر دستک دینی۔ اور جیسے ہی دروازہ کھلا
 بے تحاشا دوڑ کے سامنے آیا۔ کلمہ شہادت پڑھ کے حضرت شیخ قبلی کے ہاتھ پر
 بیعت لی اور دین اسلام میں شامل ہو گیا۔ اس وقت دُعا کے فوراً مقبول
 ہونے کی ایسی حیرت انگیز تصویر نظر آئی کہ سب کو اللہ جل شانہ کی قدرت کا لمحہ
 کا عین یقین ہو گیا۔ یہ طبیب اس کے بعد نہایت ہی سچا اور خالص عقیدہ مسلمان
 نہایت ہوا اور حضرت قبلی کے مریدوں میں داخل رہا۔

ایک شخص آپ کی صحبت میں اکثر شریک ہوتا اور آپ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا
 تھا۔ اس نے ایک دن عرض کیا کہ چاہتا ہوں آپ مجھے ہاتھ پر تو بہ کر دیں۔ فرمایا
 اپنا مال بیچ ڈال۔ اپنے قرض کا تقصیر کر۔ اپنی بی بی کو طلاق دے۔

اپنے بچوں کو تنہا بنائے۔۔۔ اور ان کو اپنے تعلقات سے بیان تک مایوس کر دے کہ تجھے مردوں میں شمار کریں۔ اس شخص نے دن سب باتوں پر عمل کیا، اور کچھ تھوڑا سا قوت لایوت بے کے حاضر ہوا۔ فرمایا: یہ چولائے ہوئے سے فقرا کے آگے ڈال دو، اور ان کے ساتھ بیٹھ کے کھاؤ۔

ان باتوں پر اکثر اہل ظاہر کو اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات عموماً غلط فہمیوں پر مبنی ہوا کرتے ہیں جن علمائے ان باتوں پر حضرت ابو بکر شبلیؒ یاد فرما۔ باب باطن کو الزامات دینے میں ان کی بنیاد صرف اس امر پر ہے کہ جن چیزوں کو حضرت شافع علیہ السلام نے جائز اور حلال کیا ہے انہیں یہ بزرگ مہیون کو روکتے اور منع کرتے ہیں۔ یا یہ کہ خدا تعالیٰ نے جو جائز نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کو شکر گزار ہونے کے قبول کرنا درکنار یہ انہیں اپنی رسل سے بغیر کسی محبت مٹھی کو منع قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ انہیں وجوہ سے کہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ شرک فی الرسائل میں مبتلا تھے یعنی جو حق صرف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا جو وہی حاصل کر لیا کرتے تھے۔ اور کہیں اس اصول کے مطابق کہ خدا و رسول کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرنا کفر جو ان پاک سیرت خدا پرستوں کی نسبت کفر کا فتوے دیتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھا اور خدا جل سے کام لیا جائے تو صاف کھل سہا تا ہے کہ مقرر ضمیمہ خود ہی تا بھی اور قطعی میں مبتلا ہیں۔

ان بزرگوں نے کہیں کسی حلال چیز کی نسبت نہیں کہا کہ وہ ناجائز یا حرام ہے۔

عہ تبیس ابیس۔ ردۃ کریمۃ من کلام فی المسترآن

اور نہ کسی حرام چیز کو کبھی حلال بتایا۔ انہوں نے صرف اپنے مدرسہ کے طلبہ اور
 اپنے فن کے سیکھنے والوں کو یہ سبق دیا کہ گو خدا کی ہزاروں نعمتیں حلال غیب ہیں۔
 مگر روحانی ترقی اور صفائے باطن کے لیے ان ان چیزوں سے احتیاط کرنے کی
 ضرورت ہو۔ کیونکہ جب تک خدا میں اتنی تعلیل نہ کی جائے اور نفس کو ہوتا
 کر کے دلی چیزوں سے ہاتھ نہ روکا جائے کوئی شخص خدا روحانی قوت حاصل
 کر سکتا ہو اور نہ نفس کو قابو میں لاسکتا ہو۔ لہذا ان کے نہ باریض کا جواز عدم
 جواز شرعی حالت و حرمت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ خاص قسم کا پرہیز
 ہے جس کو شریعت یا ثواب آخرت سے تعلق نہیں۔

اور آرا یہ ہے پرہیز کرانے ہی سے انسان کافر ہو سکتا ہے تو سب سے بڑے
 کافر (معاذ اللہ) ہمارے اہلکار اور ڈاکٹر ہوں گے جو روزِ بلا تاخیر مریضوں کے لیے
 ہزار ہا چیزیں حرام اور ہزار ہا جائز کیا کرتے ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ وہی
 اور ڈاکٹر دن کو ان علمائے ظاہر نے نہ کبھی الزام دیا اور نہ ان کی نسبت اس
 بنیاد پر کبھی کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا گیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ کرام جو احتیاط
 اور جس قسم کے پرہیز بتایا کرتے ہیں وہ شرعی حیثیت سے نہیں بلکہ روحانی صیغہ
 ہونے کی حیثیت سے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے اس بیان سے بہت سی غلط فہمیاں
 دور ہو گئی ہوں گی۔ اور موجودہ اہل حدیث جو ان ہر گات باطن پر بے تکلف
 اعتراض کیا کرتے ہیں اس سے باز آجائیں گے۔

اب ہم حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تعلیموں کو بتاتے ہیں جن کا
 سلسلہ پند و نصائح کی حیثیت سے ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اور جن سے دنیا پر آخری دور

ہم قائد اٹھائے رہے گی۔ کیونکہ ان تعلیموں میں بڑے بڑے دقیق مسائل
اعلیٰ درجہ کی حکمتیں۔ اور دینی و اخلاقی نصیحتیں مستتر ہیں۔ اور انسان جس قدر
زیادہ غور کرے گا اسی قدر زیادہ اُن سے نفع اور فائدہ اٹھائے گا۔

لوگوں نے ایک دن پوچھا "حضرت توحید کیا ہے؟" اس کا جواب آپ نے
عجیب و خریب جو شہ و جلال کے الفاظ میں یہ دیا کہ "جو اُس سے تعبیر کرے
یعنی توحید کو الفاظ میں بیان کرے" (محد ہے۔ جو اُس کی طرف اشارہ
کرے وہ تنہا یعنی وہ خداؤں کا ماننے والا ہے۔ جو اُس کی طرف
رجوع کرے وہی یعنی بُت پرست ہے۔ جو اُس سے گفتگو کرے غافل ہے۔
جو اُس سے ساکت رہے جاہل ہے جس کے دل میں یہ وہم ہو کہ پہنچ گیا۔
اُسے سمجھو کہ کچھ نہیں حاصل ہوگا۔ جو اُس سے قریب ہونے کا دعویٰ کرے وہ
دُور ہے۔ جو گمان کرے کہ اُسے پایا وہ اصل میں کھوئے والا ہو کچھ تم نے اپنے اہم
سے ہیز کیا۔ اور جو کچھ اپنے پورے معانی سے تم نے پایا وہ حقیقت سے ہٹا ہوا اور
تھاری ہی طرف واپس آتا ہے۔ اور وہ سب تھارا ہی ایسا حلقہ و سنوے ہے۔

فرماتے تھے "جو شخص علم توحید سے دُور برابر بھی مطلع ہو گیا وہ اُس کے
بوجھ کے سبب سے جے اٹھائے ہوئے ہے باقی تمام چیزوں کے برداشت
کرنے سے عاجز و ناتوان ہے۔ اور جسے خیال گزرا کہ اُسے توحید حاصل ہو گئی جس
نے یہ سمجھو کہ توحید کی بُو بھی نہیں سونگھی۔ چنانچہ خود اپنی نسبت بھی باوجود
اس اعلیٰ مرتبہ عرفان کے فرماتے تھے کہ "جب میں یہ گمان کروں کہ میں نے اُسے کھو لیا۔

تو سمجھو کہ اُس وقت میں نے پایا بار اور جب میں یہ خیال کروں کہ میں نے
پایا تو جانو کہ درحقیقت میں نے کھو دیا یہ بھی فرماتے کہ جس نے اللہ جل شانہ کو
اسی سے طلب کیا اُس کی توحید صحیح ہو اور جس نے اپنے نفس سے طلب کیا اُس کی
توحید ٹھیک نہیں۔ ایک شخص سے آپ نے پوچھا "جانتے بھی ہو کہ تمہاری توحید کیوں
درست نہیں؟" اُس نے عرض کیا "نہیں" فرمایا "اُس لیے کہ تم اسے اپنی ذات
سے طلب کرتے ہو نیز فرمایا "توحید تجھ سے اس لیے نہیں بن پڑتی کہ تو اسے اپنی طرف
طلب کر رہا ہو۔ اور جس کے پاس توحید صورت نہیں پیدا کرتی وہ کبھی توحید کی بوجھ
نہیں دے سکتے گا" ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "توحید موجد کی صفت ہے حقیقتاً اور اُس کا
زیور ہے رسالت پھر ایک مرتبہ جوش میں آ کے فرمایا "توحید موجد کا ایک حجاب
ہے جمال احدیت سے"۔

تصوف کی نسبت بھی آپ کی دقیقہ بخیاں اور وہ جو اہر معرفت جنہیں آپ بحر
عرفان میں غوطہ لگا کے نکال لائے ہیں بہت ہی پر لطف اور مہلوظ رکھنے کے قابل
ہیں سمجھو فرمایا "تصوف ایک جلاوینے والی بجلی ہے" کسی اور موقع پر فرمایا "تصوف
اللہ کی صحبت میں بے غم ہونے کے بیٹھے کا نام ہے" ایک مرتبہ ارشاد ہوا "تصوف
یہ ہے کہ انسان ایسا رہے جیسا کہ وجود (عالم ہستی) میں آنے سے پہلے تھا" کسی
صحبت میں یہ ارشاد ہوا کہ "تصوف نگاہ رکھنا تو توں یعنی حواس کا اور نگاہ رکھنا
انفاس کا ہے" کبھی جوش میں آ کے یہ کہہ دیا "تصوف شرک ہو" کیونکہ تصوف

عہ حورن - ۱۲۳ - عہ طبقات الکبریٰ - ۱۲۳ - عہ طبقات الکبریٰ - ۱۲۳ - عہ تذکرۃ الاولیاء -

۱۲۳ - عہ رسالہ تفسیر - ۱۲۳ - عہ تذکرۃ الاولیاء - ۱۲۳ - عہ رسالہ تفسیر - ۱۲۳ -

دل کی نگہبانی ہو غیر سے اور غیر ”مین“ یعنی خودی کا خیال ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا ”تصوف یہ ہے کہ انسان آپ نوہستی کے دیکھنے سے باز رکھے۔“ صوفی کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ ”وہ خلقت سے قطع اور اللہ سے متصل ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہو۔“ مصطفیٰ تک نفسی (تجربے میں نے اپنے نفس کے لیے اختیار کیا یعنی ہرگز) ماسوی اللہ سے قطع کر دیا۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ ”لن ترانی (نہ دیکھے گا تو مجھے) ایک اور موقع پر آپ نے صوفیوں کی یہ صفت و حالت بیان کی کہ ”صوفی بچہ میں حق کے گود میں کسی نہ پوچھا“ صوفیہ کا نام صوفی کیوں رکھا گیا؟“ فرمایا ”اس لیے کہ اُن میں کچھ خودی باقی رہ گئی ہو یہ بات نہ ہوتی تو اُن کا کچھ نام ہی نہ رکھا جاتا۔ ایک موقع پر یہ فرمایا کہ صوفی اُس صوفی ہوتا ہو جب ساری خلقت کو اپنے عیال خیال کرتے یعنی سب کائنات و بارہ و اس کے نیچے فرمایا کرتے ”صوفی خلقت کے دیکھنے سے معصوم (محفوظ) ہو جاتا ہے۔“

لوگوں نے پوچھا کہ فقیہ کی کیا حقیقت ہے۔ فرمایا ”یہ کہ سوا اللہ کے اور کسی چیز کے ذریعے سے غنی نہ حاصل کرتے۔ چنانچہ اسی امر کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ایک مرتبہ یوں فرمایا ”فقر کی ادنیٰ علامت یہ ہو کہ اگر ساری دنیا کسی کے قبضہ میں ہو۔ پھر اُسے وہ ایک ہی دن میں خیرات بھی کر دے۔ لیکن اسی کے ساتھ اگر اُس کے دل میں یہ خیال گزر گیا کہ اپنے لیے میں نے

عہ ذکر الاولیاء ۱۰۰۰ و ۱۰۰۰ عہ رسالہ تشریح ۱۰۰۰ عہ طبقات الکبریٰ ۱۲۲۔

لئے ذکر الاولیاء ۱۰۰۰ عہ رسالہ تشریح ۱۰۰۰ عہ مدارف ۲۹۸۔

ایک دن کا قوت لاپتہ رکھ لیا ہوتا تو اس کا فقر پچاسین پونہیں ایک اور
موقع پر کسی نے اسی فقیر کے مسئلہ کو پوچھا فرمایا فقیر ہے کہ سوا ذات بری نکاح
کے کسی دولت کی آرزو نہ ہو۔

محمد بن عبد الوہاب کا بیان ہے کہ ایک دن کسی نے آپ سے
معرفت کی نسبت سوال کیا فرمایا "اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ ہے اور انتہا کی
کوئی حد نہایت نہیں" پھر ارشاد فرماتے ہیں "عارف اس کے سوا کسی کو
نہیں دیکھتا۔ اور نہ اس کے سوا کسی کے کلام کو زبان پر لاتا ہے۔ اور نہ سوا
اللہ جل شانہ کے کسی کو اپنی ذات کا محافظ خیال کرتا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا
عارف کا وقت بھی گویا موسم ہمارے۔ بادل گرجتا ہے۔ اور ہر شاہ۔ کوندا
چکنا ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ پھول ٹھٹھتے ہیں۔ ٹیل چھپاتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح
عارف کی آنکھ روتی ہے۔ لب ہستے ہیں۔ دل جلتا ہے۔ سر ہلتا ہے۔ ہمیشہ
دوست کا نام لیتا ہے۔ اور اس کے دروازے پر چکر لگاتا ہے۔ ایک مرتبہ
ارشاد ہوتا "عارف وہ ہے کہ کبھی تو ایک پھر کی تاب نہ لاسکے۔ اور کبھی ساتوں
آسمانوں اور زمینوں کو ایک پلک کی نوک پر اٹھائے" معرفت کے متعلق اپنے
سچے جذب و جوش کو زیادہ مبسوس نظر میں لائے فرماتے ہیں "عارف وہ ہے
کہ دنیا کی ازار بنائے۔ اور آخرت کی چادر۔ پھر دونوں کو اتار کے اللہ جل شانہ
کے ساتھ مغرور ہو جائے" اس کے بعد معرفت کی نوعیتوں کی تصریح فرماتے
ہیں کہ "معرفت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) معرفت حق تعالیٰ کی۔ (۲) محتاج ذکر کسی کی۔

(۲) صرفت نفس کی۔ یہ محتاج ہو فراغ نفس دینی ادا کرنے کی۔ (۳) معرفت باطن کی۔ اور یہ محتاج ہے اس بات کی کہ انسان اُس کے احکام اور تقاضا و قدر پر راضی یعنی راضی برضا ہو جائے۔

محبت چنانکہ تعصوف اور کمال باطن کی سیڑھی اور درجہ شناسی کی جان ہے اس لیے فرماتے ہیں "محبت یہ ہے کہ محبوب جو چاہے اُس کو اختیار کر گوارا لے لے" تھے اُس سے نفرت ہو۔ اور جس چیز سے محبوب کو نفرت ہو اُسے چھوڑ دے اگرچہ تھے اُس سے اُنس و الفت ہوگا منصور بن عبد اللہ نے حضرت ابو بکر شبلی کو یہ فرماتے سنا "محبت یہ ہے کہ تجھ میں اس بات کا جو مشق رقابت پیدا ہو کہ تجھ سے کوئی اور شخص بھی اُس سے محبت کرتا ہے" ایک موقع پر ارشاد فرمایا "محبت کا نام محبت اس لیے رکھا گیا کہ سوا محبوب کے سب چیزوں کو دل سے منادیتی ہے "ایک دفعہ فرمایا سمجھو عامری سے لوگوں نے پوچھا "تھیں لیٹے سو محبت ہے" کہا "نہیں" پوچھا "کیونکہ" کہا "محبت ذلیفہ وصل ہے۔ اور بیان ذریعہ ہی در بیان سے ساقط ہو گیا۔ کیونکہ مین لیلے ہوں اور لیلے مین ہے" یہ ہر وہ محبت جسے آپ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور جو آپ کے الفاظ و افعال سے بار بار چمک اٹھا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ لوگوں نے محبت کی نسبت سوال کیا تو فرمایا کائنات کھلو مجھ اِذَا اسْتَقَرَّتْ فِي الْحَاكِمِ وَ سَكَنَ فِي الْقُلُوبِ تَلَا شَتَّ (ایک عالم ہے جس میں ایک ایسی گرمی ہے جس کے اگر حواس میں قرار پکڑ لیا اور نفس میں

عہ تذکرۃ الاولیاء۔ ۱۔ حصہ عوارف۔ ۳۳۴۔ حصہ رسالہ نشریہ۔ ۱۸۹۔

مجمعات الکبریٰ۔ ۱۲۲۔ حصہ عوارف۔ ۱۸۹۔

شہر گئی تو ساری ہستی کو بٹاکے اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے) ایک موقع پر شاہ
 فرمایا "محبت یہ ہے کہ جس چیز کو تو دوست رکھتا ہو اُسے محبوب کے لیے خرچ کرے۔
 اور محبت کے اثر کو ان الفاظ میں بتایا کہ "ہیبت و لون کی گھلانے والی ہے۔
 محبت کی آگ جاتوں کی گھلانے والی ہے۔ اور شوق فسون کا گھلانے والا بخیر
 زہد و دمع (پرہیز گاری) کی نسبت فرماتے تھے "دمع یہ ہے کہ کل ماسواہی اللہ
 سے تو پرہیز کرے۔" حتیٰ ہذا القیاس زہد کی نسبت لوگوں نے سوال کیا تو فرمایا
 "زہد یہ ہے کہ کل ماسواہی اللہ سے تو زاہد (کنارہ کش) ہو جائے۔ دوسرے
 موقع پر فرمایا "زہد یہ ہے کہ قلوب کو بھول جائے اور آخرت کو یاد میں نہ لائے۔"
 ایک دفعہ ارشاد ہوا "زہد یہ ہے کہ دل کو اشیاء سے خالق اشیاء کی طرف پھیرے۔"
 پھر ایک دفعہ چرخ وحدت سے از خود رفتہ ہو کے فرما دیا "زہد غفلت ہے۔ کیونکہ
 دنیا تھیز ہے اور تاخیر میں زہد کا قافلہ ہوتا ہے۔" اور سب سے زیادہ آپ کا
 پُرہٹ در پر مغز فقرہ دمع کی نسبت یہ ہے: "اَلْوَدَّعَ اَنْ مَّوَدَّعَ اَنْ مَّشَقَّتْ مَلَبَّتْ
 عَنِ اللّٰهِ مَرَكَّةٌ عَيْنٌ" پرہیز گاری اس بات سے بچنے کا نام ہے کہ ایک چشم زہون
 کے لیے بھی تیرا دل اللہ جل شانہ کی طرف سے نہ ہٹے۔ اور آخر اُس حضرت رب العز
 کی قدرت کا ملکہ کا لحاظ فرما کے اور دریا بے عرفان میں غرق ہو کے فرما دیا
 "اور سچ تو یہ ہے کہ زہد کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ کیونکہ دو صورتوں سے خالی
 نہیں ہے۔ یا تو انسان اُس چیز سے کنارہ کش ہو گا جو اُس کے پاس نہیں ہے
 تو یہ کنارہ کشی ہی نہیں ہے۔ اور یا اُس چیز سے کنارہ کش ہو گا جو اُس کے

پاس ہے۔ تو اس سے کتا رہ کشی کیونکہ ممکن ہے؟ اس لیے کہ وہ تو اس سے ساتھ
اور اس کے پاس موجود ہے۔ غرض یہ کہ زہد و ورع نفس کی لاف زنی کے سوا
کچھ نہیں یہی خیال دوسرے ان فاضلین یوں ادا کیا گیا ہے جو مقدر میں ہے ضرور
ہونے کا۔ اور جو مقدر میں نہیں کتنی ہی محنت و مشقت سے کام لے لے گا۔ پھر زہد
کیا ہوا؟

ایک شخص نے آگے کثرت خیال کی شکایت کی۔ نہایت ہی سہولت اور
ممانعت سے فرمایا ایک کام کرو۔ اپنے گھر میں جا کے دیکھو جس کسی کا رزق خدا
کے ذمے نہ ہو اسے محال ڈو بیاد و اس حد تک راضی پر رضا ہونے اور ہر چیز کو
اس حد میں رکھنے قدرت میں سمجھنے کے آپ میں غیب آندا نہ ہو لیکن تھا کسی
نے کہا کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ ممکن ہے؟ فرمایا "ہاں جانتا ہوں۔ لیکن جب
سے اس کی رحمت کو جانتا ہے اس سے رحم کی درخواست نہیں کی؟ سائل نے تمیز
ہو کے عرض کیا کیون؟ فرمایا "اس لیے کہ حریت را زادی کا مقام زیادہ
معرۃ ہے۔"

احمد بن محمد بن زید نے ایک دن حضرت شیخ ابو بکر شبلی کی زبان فیض ترجان
سے مندرجہ ذیل کلمات ہدایت و معرفت سنے تھے۔ جو اس قابل ہیں کہ آپ زہد
سے لکے جائیں۔ عارف کو کسی سے علاقہ نہیں۔ محبت کو کوئی شکایت نہیں۔
خوف زہد کو کبھی قرار نہیں۔ اور اللہ عز و جل سے کسی کو مغر نہیں ہے۔

عقود عوارف ۲۹۵۔ تذکرۃ الاولیاء ۳۷۷۔ سے عوارف ۳۱۶۔

لغویہ رسالہ تفسیر ۱۳۰-۱۳۱۔

کسی نے پوچھا "دنیا کیا ہے؟" فرمایا "ایک دیگی ہے جو جوش کھانہ ہی ہے۔
اور ایک تھیلا ہے جو بھرا جا رہا ہے۔" اپنے اہل زمانہ سے کہا کرتے "تم لوگ
قبرین ہو کسی نے عرض کیا "کیون؟" فرمایا "اُس لیے کہ تم مین سے ہولیک پڑو
مین دفن ہے" تو اس پر کسی دوسرے نے کہا "تو ہمارا شمار مردوں مین ہے؟" فرمایا
تے شک عارف سورہ ہین۔ اور ہاہل مردے ہین۔

ایک شخص نے آپ کے سامنے اپنا یہ شب پیش کیا کہ دنیا تو احوال و مشغال
کے لیے ہے اور آخرت احوال کے لیے۔ پھر راحت کب ہوگی؟ فرمایا "دنیا کے
اشغال سے دست بردار ہو جاؤ مگر آخرت کے احوال سے بھی نجات مل جائے۔"
ایک مرتبہ فرمایا "عبودیت اٹھ جاتا تیری مراد اور ارادے کا ہے اُس جس نے
ارادے کے مقابلہ مین۔ ورتیرے اختیار کا ٹوٹ جاتا ہے اُس کے اختیار کے
مقابلہ مین۔ اور تیری آرزوؤں کا ترک اُسکی قضا کے مقابلہ مین ہے۔"

فرماتے ہین غیر تین دو قسم کی ہین۔ (۱) غیرت بشریت نفسوں پر (۲) اور غیرت
اکسی دون پر اس کو تصریح فرماتے ہین کہ نفسیں پر غیرت اسی سے کہ کل ماسوی
کو تو ضائع کر دے علیٰ ہذا القیاس ارشاد فرمایا کہ دو دعوتین تین ہین۔ (۱) دعوت علم
(۲) دعوت معرفت۔ (۳) دعوت معائنہ علم یقین۔ اور عین یقین اور حق یقین کے
الفاظ ہر اہل و بنا اہل کی زبان سے سنے جاتے ہین۔ اب ملاحظہ ہو کہ حضرت ابو بکر
شبلی نے ان کی کیا تفریہ و تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہین علم یقین وہ علم ہو
جو ہمیں انبیاء علیہم السلام کی مبارک زبانوں سے پہونچتا ہے اور عین یقین وہ علم کہ

جو اسرارِ ہدایت میں غرض و غور کرنے سے بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے دل کو
ماہل ہو۔ اور حق الیقین وہ ہے جس کے مضامین تک اس عالم میں رسانی
نہیں ہو سکتی۔

کسی نے پوچھا "یا حضرت آفتابِ غروب کے وقت زرد کیوں ہو جاتا ہے؟"
فرمایا "لیجئے کہ وہ اپنی تکمیل کے مقام سے علحدہ ہوتے وقت آنے والے مقام کے
خوف سے زرد ہو جاتا ہے۔ یہی حال مومن کا ہے۔ دنیا سے نکلنے وقت اُس کا چہرہ
زرد ہو جاتا ہے کیونکہ آئندہ کی منزل سے ڈرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی دیکھو
کہ جب آفتاب طوع ہوتا ہے تو چمکتا ہوا نکلتا ہے۔ اسی طرح مومن جب قبر سے
نکلتا ہے اُس کا چہرہ چمکتا ہوا ہوتا ہے۔"

شریعت و طریقت و حقیقت کا فرق بتاتے ہیں کہ شریعت یہ ہے کہ تو اُس
خدا کے عز و جل کی عبادت کرے۔ طریقت یہ ہے کہ تو اُس کو طلب کرے۔ اور
حقیقت یہ ہے کہ تو اُس کو دیکھے۔

دل کو خدا کے خیال کا مرکز و مستقر ہونے کے باعث آپ نے نبیِ مجید سے
تشبیہ دی ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ بیت اللہ الحرام (کعبہ شریف) میں حضرت
خلیل علیہ السلام کے آثار ہیں اور دل میں حضرت رب العزت کے آثار۔ علی
ہذا القیاس جس طرح خانہ کعبہ میں ستون ہیں۔ اُسی طرح دل میں بھی ستون ہیں۔ مگر
بیت اللہ کے ستون پتھر کے ہیں۔ اور دل کے ستون اُس جوہر سے بنائے گئے
ہیں جو انوارِ معرفت کے معادن سے نکلتا ہے۔

عقودہ کردار دیا۔ ۲۔ معصومہ بیات لکھری ۱۳۲۰۔ صفحہ ۱۰۷ دیا۔ ۳۔ معصومہ بیات لکھری ۱۳۲۰۔

فرماتے ہیں خلقت جو اشارہ حق کی طرف کرتی ہے وہ اشارہ مردود ہے۔
مگر جو اشارہ حق سے حق کی طرف ہوا اور خلقت کو اُس میں دخل نہ ہو وہ اشارہ
الہیہ قبول ہے۔

مردود کو ہدایت فرماتے کہ دنیا میں استقامت قیامت پر محمول
کرنے کا نام جو حق تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر فرمایا ہے۔ لہذا اُسی وقت
کے انتظار میں ثابت قدم رہنا استقامت ہے۔

کتنے بڑے نازک مسئلہ الہیات کو آسانی کے ساتھ چند الفاظ میں حل کر دیا
ہے کہ بندے کا بندہ کی آنکھ میں ظاہر ہونا عبودیت ہے۔ اور حق تعالیٰ حل نشا
کے مناسبات کا اُس پر ظاہر ہونا مشاہدہ لیکن اس سے زیادہ پُر خلاق یہ لطیفہ ہو
کہ ایک دن کسی نے آپ سے مشاہدہ حق کی کیفیت پوچھی فرمایا ہمارے لیے
خدا کا مشاہدہ کہاں؟ خدا ہمارا مشاہدہ کر رہا ہے؟

ایک ہی امر میں آپ کے اس قسم کے مختلف و متباہن الفاظ سُن کے لوگوں
نے عرض کیا ”حضرت۔ یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ کبھی کبھی فرماتے ہیں اور کبھی کہتے
جواب میں ارشاد ہوا ”ہم کبھی باخود ہوتے ہیں اور کبھی بیخود“

مشائخ صوفیہ پر جو عالم وجد طاری ہوا کرتا ہے اُس کی حالت بیان فرماتے
ہیں کہ ”الْوَجْدُ غَلَسُ الْوُجُودِ“ یعنی وجد اُس موجود مطلق کے ظاہر کرنے سے
عبارت ہے۔ پھر خود ہی ان لوگوں کا خیال کر کے جو تامل ہونے کے ساتھ وجد کا

۴۰ تذکرۃ الاولیاء ۴۰ ص ۴۰ رسالہ تفسیر ۲۰۰ تذکرۃ الاولیاء ۴۰ ص ۴۰

لغز ۲۰ رسالہ تفسیر ۲۰ ص ۲۰ تذکرۃ الاولیاء ۲۰ ص ۲۰

اٹھار کیا کہتے ہیں ارشاد فرمایا محبوب ملک شہود کا مرتبہ نہ حاصل ہو و جدیر
نزدیک انکار (ہاری) ہے۔ اور مجھے خداوند جل و علا کا شہود حاصل ہے وہ کو
بنال میں (اس) ہستی کے شہود کو فنا کر دیتا ہے۔

اللہ جل شانہ کا ذکر آتا تو فرماتے جَلَّ الْوَجْدُ الْمَعْرِفَةُ قَبْلَ الْخَلْقِ وَ قَبْلَ الْوَحْيِ
یعنی حرفون اور تعریفون سے پہلے ہی وہ مشہور بجا (مطلق) بزرگ و برتر ہوا
علیٰ ہذا القیاس یہ بھی کبھی کبھی فرماتے ہیں لی حق سبحانہ کی ذات کی نہ کیفیت بیان
کی جا سکتی ہے۔ اور اُس کے کلمات کے لیے حرف نہیں ہیں نہ مریدین سے
اکثر فرماتے اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ جو مجھے یاد کرے میں اس کا جلسہ (مجمعت)
ہوں۔ اُس کے دور پوچھتے ایسی صورت میں بتاؤ کہ خدا کے پاس بیٹھ کے اُسکی
صحبت سے تم لوگوں نے کیا فائدہ اٹھایا؟

ابو الحسن مثنیٰ کا بیان ہے کہ ایک دن میں جامع بغداد میں شیخ ابو بکر شبلی کی
صحبت میں فیضِ بابان معرفت کے حلقے کے پاس ایک کنارے پر کھڑا ہوا تھا
کہ ایک شخص مشائخ کی وضع و لباس میں آیا۔ اور پوچھا کہ اسے شیخ۔ وصل کیا چیز
ہے؟ سنتے ہی شبلی نے اُس کی طرف رخ کر کے دیکھا اور فرمایا ”اے وصل کی حقیقت
پوچھنے والے دھج کے لگاؤن کو چھوڑ دے۔ تو سنے یہ کیا اور وصل کے درجے
کو پہنچ گیا۔“ اُس نے عرض کیا کہ حضرت وہ دونوں لگاؤ کون سے ہیں؟
فرمایا ”ایک ٹیلا تمہارے سامنے کھوا اللہ تک پہنچنے سے روکتا ہے۔“ پوچھا ”او
وہ ٹیلا کون ہے؟“ فرمایا ”وہ تیرا و آخرت۔ چنانچہ خود ہمارا پروردگار فرماتا ہے

عَنْ عَائِشَةَ عَمَّا رَوَى عَنْ رُوَيْلِ بْنِ أَبِي صَبْرٍ ۚ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ ۖ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ فِي حُلِيِّهِ ۖ

کہ منکر من یزید اللہ نیا وینکر من یزید الا حسرتو (تم میں سے کوئی دینا چاہتا ہے اور کوئی آخرت چاہتا ہے) وہ شخص کہاں ہے جو خدا کو چاہتا ہو؟ یہ جواب دینے کے بعد آپ کے دل میں توحید اور عشق الہی کا بکھش ہوا۔ اور عجب بیتابی کے لیے میں یہ کلمات آپ کی زبان سے نکلے "اِذَا قُلْتُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی مَا رَزَقْنٰی اَشْكُو وَلَیْسَ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِیَّا اللّٰهُ اِیَّا اللّٰهُ اِیَّا مَنْ مَوْهُوَا وَلَا یَمْلِكُ اَحَدٌ مِّنَّا حَیْثُ سَجَدْنَا" اور خدا کا شریک نہ ہے۔ کوجب تو کہے اللہ تو وہ اللہ ہے اور جب تو خاموش ہے تب بھی وہ حاضر ہے اسے اللہ اسے اللہ اور اسے وہ کہ وہ وہی ہوا اور خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے یا کہے وہ یا کہے وہ اور وہی لاہ اور کوئی اس کا شریک نہیں (ا) یہ کلمات ایسے جوش اور ایسے دل سے نکلے تھے کہ آپ زیورہ کی تاب نہ لے سکے۔ میں تک پہنچنے پائے تھے کہ بیوش ہو کے زمین پر گر پڑے۔ اور عربیہ میں آپ کو بوقت اٹھانے کے گھر میں لے گئے۔

ابو علی مغازی نے ایک دن خدمت میں عرض کیا کہ یا حضرت بعض اوقات میں کتاب اللہ کی کوئی آیت سنتا ہوں تو اس کے اثر سے دل باس بات پر آمادہ ہو جاتا ہوں کہ تمام چیزوں کو ترک کر دوں اور دنیا کی طرف سے منہ پھیر لوں۔ مگر یہ حالت قہور سے زمانے کے بعد جاتی رہتی ہے اور دل اپنی طرف اور دنیا کے لوگوں کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے۔ آپ نے سن کے فرمایا جو کشتش تم میں پیدا ہوتی ہے وہ اس حضرت رب العزت کی تمہارے

حال پر توجہ اور اُس کا ٹھٹھ و کرم ہے۔ اور اس کے بعد پھر اپنی حالت پر آجائے
 اُس کی شفقت ہے۔ اس لیے کہ اُس کی طرف توجہ کرنے میں تھا سب سے پہلے یہ سب
 نہیں ہے کہ اُس کی طاقت اور قوت سے ملے گی اختیار کر دیتے

ابو حسین مرواروزی کو حضرت شبی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔
 انھوں نے ایک دن آپ سے سوال کیا کہ اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ سَبَّیْضًا صَوْنًا سَیِّئًا
 بَرَّیْضًا کَوْنًا ہے؟ فرمایا وہ جس نے کبھی کسی شخص کو ایک گناہ پر ایک دفعہ
 معاف کر دیا تھا۔ لہذا اب اُس گناہ پر کبھی کسی شخص کو عذاب میں نہ مبتلا کرے گا۔
 حضرت اس خیال سے کہ وہ گناہ ہے جو ظان بندہ کے لیے معاف کر دیا گیا تھا
 یہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس ممنوع میوے کے کھا کر
 پر آپ کا قصور معاف کیا گیا اب اُسے سب کھاتے ہیں۔ اور خدا کسی سے اُسکی
 باز پرس نہ کرے گا۔

لوگوں نے ایمان عرض کیا کہ ابو تراب شبی (جو مشہور روزگار و یاد اللہ
 میں گزرے ہیں) صحرا میں ایک دن بھوکے ہوئے تو نظر آیا کہ سارا دھن صبرا
 غذاؤں سے بھرا ہوا ہے۔ شمع کے (زبان) پر ایک بندہ تھا جس کے حال پر
 مہربانی ہوئی۔ لیکن اگر تحقیق کے مقام پر پہنچا ہوا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ بلکہ
 دیکھا ہوتا جیسا کہ حضرت رسالت آج صلعم فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ اَکَلْتُ عِیْنًا دَلِیًّا
 یَطْلُوْنِیْ دِیْقَتِیْ اِیْنِیْ اپنے پروردگار کے پاس رہتا ہوں جنہیں کھاتا پلاتا ہوں۔
 ایک دن لوگوں نے پوچھا حضرت۔ رسول اللہ صلعم نے جو ارشاد فرمایا

خصوصاً آج کل مغربی مذاق کے رہبران اخلاق کے ہزار ہا پریشان و مشکوک الفاظ کا فون مین گونج رہے ہوں گے۔ اب ذرا سنو کہ ایک اگلا صاحب دل ولی اللہ اس التول پوچھی کی وقعت کس عنوان سے بتاتا ہے۔ حافظ صوفی شیخ ابوسعید مالینی حضرت ابو بکر شبلی کا یہ بے بہا قول بیان فرمایا کرتے تھے کہ یہ وقت کی پوچھی جو تمہارے پاس ہے اسے خرد ناز کے ساتھ رکھو کیونکہ کل ہی سہی یہ تمہارے پاس ہوگا۔ اور اسی کے ذریعے سے اُس کے ساتھ ازلی صحبت رہے گی۔

ہمارے گران پایہ مورخ زمانہ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے مولانا روم کے اکثر اشعار سے موجود مسائل سائنس کے ثبوت دیے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ شاید حضرت ابو بکر شبلی کے اس قول سے یہ فائدہ اٹھا سکیں کہ خدا کے نزدیک زمانہ حرکت فلکی سے متزع ہے۔ اور اگر یہ زقار فلک نہ ہو تو زمانہ بھی نہ باقی رہے۔ یہ حال کی تحقیق ہے کہ زمانہ تخلیق اور قبل و بعد تخلیق کی حالتوں سے یکساں متعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن ان جدید محققین سے بہت پہلے اسلام کا ایک پاک نفس صوفی کہہ رہا ہے کہ اس عالم کے فنا ہونے کے بعد بھی خدا کے ساتھ ازلی صحبت میں زمانہ موجود ہوگا۔

آپ قرآن مجید میں بہت زیادہ غوص و فکر کرتے۔ اور علم باطن کے متعلق ایسے نازک لطیف اور بکر عرفان کے گوہر شاہوار ڈھونڈ نکالتے جو آپ سے پیشتر شاذ و نادر ہی کسی کے ہاتھ لگے تھے۔ چنانچہ اکثر آیات قرآنی

کی آپ نے ایسی اچھی تفسیر کی ہے اور اُن سے ایسے سائل اپنی ابامی قوت
نے حاصل کیے ہیں جو صحیح ہے کہ آپ ہی کا حصہ ہیں۔

آپ کے زمانے میں شیخ ابو بکر احمد بن موسیٰ مقرئ قرآن کی ساتون
قراوتوں کے عالم بنے ہوتے۔ اور علوم قرآن میں اُن کی سند مانی جاتی
تھی۔ اُنھوں نے جب حضرت ابو بکر شبلی کو یہ دعویٰ کرتے دیکھا کہ علم و فضل
منہرہ فساد بھی ہو جایا کرتا ہے تو اعتراضاً آپ کی خدمت میں آ کے کہا کہ علم
اور فساد پیدا ہونے سے بھلا کیا حلاوت ہے۔ اور یہ بھی دیکھو کہ اُس سے نفع کس قدر
حاصل ہوتا ہے اس لئے یہی حضرت شبلی ہوئے تو اللہ جل شانہ کے قول فَطِيقٌ
مَنْحِبًا لِلسُّوْقِ وَالْاَعْيَانِ کا کیا مطلب؟ اس کے بعد جناب شیخ شبلی نے
سوال کرنے کے لیے میں اُن سے فرمایا مگر اسے قرآن کا درس دینے والے
تھا کہ قرآن میں یہ مضمون کہاں ہے کہ محبوب اپنے چاہنے والے پر عذابین
کرتا؟ شیخ احمد مقرئ جب خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دے سکے تو حضرت شبلی
نے فرمایا کہ سُنُوا اللہَ جَلَّ شَانَهُ فرماتا ہے سُنُوا لِلّٰہِ دُودًا وَانْفِصَارًا سَعًیٰ

عس یہ آیت سورہ نمل کی ہے۔ سنی یہ کہ وہ سلیمان اپنی بیویوں اور گردنوں پر گھوڑوں کی گانہ لٹکا۔
اس کا پورا قصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنا کہ من کے کنارے دریائی گھوڑے نکلتے ہیں۔ ان کے اپنے
اجلی نسل کی گھوڑیاں وہاں بندھ کر دین گھوڑیاں اُن سے حاملہ ہوئیں۔ اور نہایت ہی اچھے بچے
یہ بچے جب بٹا کر کے بلا خطر میں لائے گئے تو آپ اُن میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سرج و مرگ
اور عبادت کا وقت گزر گیا۔ اس پر آپ کو غصہ آیا اور اُن عمدہ نسل کے گھوڑوں کو مار گئے
کائنات والا۔ یہی آخری واقعہ اس آیت میں مذکور ہے۔

اَتَّبَعُوا اللَّهَ وَاجْتَبَوْا مَا كُتِبَ عَلَيْهِمُ مِنْ ذِكْرِهِمْ وَلَهُمْ عِزٌّ فِي ذَلِكَ
ہیں۔ غالباً شیخ کا مقصود یہ ہے کہ یا جو دیکھو یہود و نصاریٰ شرک و کفر میں مبتلا
اور سرکش ہیں مگر چونکہ خدا کے دوست اور عزیز ہونے کے دعوے اہلین علیہ
وہ ان پر عذاب نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی اور بھی بہت سی آیتوں کی تفسیر فرمائی
ہے۔ چنانچہ قُلْ لِلَّهِ الشُّعْبَانِ یُتَوَنَّبُ الْبُصَاوِہِمُ۔ رکھ دے (اے محمد صلیم) مومنین سے کہ اپنی
تعمین بھی رکھیں کی تفسیر میں فرماتے ہیں سر کی آنکھوں کو عمار سے اور دونوں کی
آنکھوں کو ماسوا سی اللہ سے تاکہ کر لیا کہ اَمِنْ اَنْی اللہ و علیہ السلام
کے پاس قلب سلیم کے حاضر ہو کی تفسیر میں فرمایا یہ قلب سلیم ابراہیم علیہ السلام
کا قلب تھا۔ اس لیے کہ وہ بندے کی خیانتوں اور حضرت رب العزت کی
ناراضیوں سے اپنے امکان بھر محفوظ تھے۔

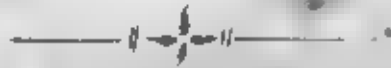
ایک مرتبہ کسی نے اَلْجَنِّ عَلَى الْعَرْشِ اِسْتَوٰی کے معنی پوچھے۔ فرمایا خداوند
جل و علا ہمیشہ سے تھا اور عرش بعد پیدا ہوا۔ یا در کھو کہ رحمن عرش سے نہیں
بلکہ عرش رحمن سے مستوی ہوا ایک مرتبہ آیہ کریمہ وَکُنْتُمْ اِلٰہَکُمْ فَرِیْدًا
(اور عنقریب تیرا پروردگار تجھے دے گا ایسا کہ تو راہنی ہو گا) پڑھی اور فرمایا
خدا کی قسم جب تک آپ کی امت کا ایک شخص بھی آتش و دوزخ میں ہے گا
آپ ہرگز راضی نہ ہون گے گا

عہد طبقات الشیعہ سبکی۔ جلد دوم۔ ۱۳۰۔ عہد طبقات الانس۔ ۱۴۰۔ عہد طبقات الکبریٰ۔ ۱۴۱۔
عہد۔ ۱۴۲۔ جن الرایحین۔ ۱۴۳۔ دوسرا تفسیر۔ ۱۴۴۔ عہد تبیین البیاس علی الصوفی فی الشیخ و ملحد حامی۔

ابو نصر عبد اللہ بن علی طوسی سراج ربی کتاب الملعین لکھتے ہیں کہ ایک دن ابو بکر بن خفیف نے شبلی سے اللہ جل شانہ کے قول وَمَكَوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ را اور مکر کیا انھوں رکا فزون سے اور مکر کیا اللہ نے۔ اور اللہ سب سے اچھا کر کرنے والا ہے (کو پیش کر کے عرض کیا کہ خیر ان لوگوں کا کرتو معلوم ہے۔ مگر اللہ کا مکر کیا ہے؟“ فرمایا ”اللہ کا یہ مکر ہے کہ وہ جن حالت پر تھی اسی حالت پر انہیں چھوڑ دیا۔ اگر وہ چاہتا تو ان کی حالت ایک آن واحد میں بدل جاتی۔ لیکن ابو بکر بن خفیف موصوف کی صورت دیکھی تو دل میں سمجھ گئے کہ یہ بات ان کے دل پر نقش نہیں ہوئی ہے۔ بوسے ”تم نے غلام طبرہ عورت کو کہی یہ شعر گاتے سنا ہے کہ۔

وَقَدْ عَلِمْتُ مِنْ سِوَاكَ الْفِعْلَ لَعْنُوْنَ وَتَحْسِبُ مِنْكَ ذَا لَه
کوئی کام تیرے سوا کوئی اور کرتا ہے تو مجھے برا معلوم ہوتا ہے اور وہی کام تو کرتا ہے تو یہ تجھ ہے اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔“

لوگوں نے ایک موقع پر آپ سے حدیث نبویؐ اذا رايتهم اهل النبلاء فاستلوسو بكم العافية (جب تم بتلاو بلا لوگوں کو دیکھو تو اپنے پروردگار سے عافیت کی دُعا مانگو) کے سنیے پوچھے فرمایا ”بتلائے بلا وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے غافل ہیں۔“



آپ کی خالفت

مومنین اختلاف کیا جانا اور اہل زمانہ کا صداقت و دشمنی پر آمادہ ہو جانا ہمیشہ اہل حق اور سچے خدا پرستوں کی آزمائش کا ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ یہ دشواری ہر فن اور قسم کے باکمالوں کو پیش آئی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد حنبلؒ کے ایسے ائمہ فقہ و حدیث بھی زمانے کی اس عام سردھری سے نہیں بچے تو پھر پچارے صوفیوں کے لیے کیونکر ہو سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ باوجود احتیاط شدید اور عام لوگوں کے سامنے خاموش رہنے کے طعن خلاق اور صاحب اقتدار امرا کی سختیوں سے نہ بچ سکے۔ زمانے کی جب یہ حالت ہو رہی تھی تو حضرت ابو بکر شبلی کا دامن اُن لوگوں کے ہاتھ سے کیونکر بچ سکتا تھا۔ کیونکہ آپ تو مرشد کے رہنے پر بھی رموز باطن کو علانیہ علی رؤس الاشباد اور ہر مرتبہ بیان فرمایا کرتے تھے حسین بن منصور حلاج کے تذرا اہل ہونے کے وقت اراکین سلطنت کو عام صوفیوں کی طرف سے ہگالی ہو گئی تھی۔ جن میں سب اعلیٰ مرتبہ آپ ہی کا تلامذہ اُس وقت آپ کی زبان سے بعض ایسے الفاظ اُٹھ جاتے تھے کہ لوگوں کی پرکینہ نظریں سب سے زیادہ آپ ہی پر پڑتی تھیں۔ مگر اپنی عادت کے خلاف اُن دنوں آپ نے ضبط و تحمل سے کام لیا۔ اور اُس فتنہ عظیم سے بچ گئے۔

مگر وہ خیر ایک خاص موقع تھا۔ آپ کی زندگی ہمیشہ ایسی مہماندہن کا ہفت بی رہی چنانچہ خیال اور عوام کے ہاتھوں آپ نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ ہمیشہ حقیقت کے

شور و شرین مبتلا اور رد و قبول کے ہچکولے برداشت کرتے رہے۔ اکثر لوگ آپ کے قتل کر ڈالنے پر آمادہ رہے۔ کیونکہ آپ کی بھی بعض باتیں حسین بن منصور حلاج کی باتوں سے ملتی جلتی تھیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ لوگوں نے راہ چلتے ڈھیلے مارے جن سے پاؤں اس قدر زخمی ہو گیا کہ چلتے تو زمین پر خون کے چھاپے بن جاتے۔ اس کا بھی ذکر ہو چکا ہے کہ زنجیروں میں باندھ کے تھامے گئے۔ غرض کہ کوئی بات اٹھ نہیں رہی۔

مگر پھر بھی آپ خوش نصیب تھے کہ سرکار اریان سلطنت اور امرائے دولت کبھی آپ کو آزار رسائی پر نہیں آمادہ ہوئے۔ جیسا کہ دیگر بزرگان صوفیہ اور ائمہ دین کو پیش آیا تھا۔ آپ سے بعض شاخ صوفیہ کو بھی اختلاف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابو بکر زنداںیلار صوفی بھارتیہ کے عالی مرتبہ شاخ اطن میں تھے تصوف کے ایک جداگانہ طریقہ کے بانی و مجدد تھے۔ انھیں بعض شاخ عراقی خصوصاً ابو بکر شبلی دخیو کے طرز عمل اور آپ کی تعلیموں پر اعتراض تھا۔ مگر اس سے بچائے اس کے کہ عوام الناس آپ کے خالص ہونے پر اور بھندہ اس کے شیوخ باطن خود ابو بکر بزمیندار کے خلاف ہو گئے تھے۔

لیکن خود شیخ ابو بکر بزمیندار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں حضرت ابو بکر شبلی سے جو کچھ اختلاف تھا۔ ویسا ہی تھا جیسا کہ حضرت جنید بغدادی کو تھا۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ ان لوگوں سے جو اختلاف ہے صرف اس بنا پر ہے کہ انھوں نے اسرار الہی کے رموز غیر مستحقین اور ناالہوں پر فاش کر دیے۔ ورنہ جانتا ہوں کہ وہ مقتدائے قوم ہیں۔ اور ان کی محبت کو میں قربت الہی کا ذریعہ مستلزم دیتا ہوں۔

سے تذکرہ الاولیاء - ۴۸۸ - سے نفحات الانس - ۱۰۰ -

سے صفات لکھنے - ۳۳ -

علیؑ کا لقیاس شیخ ابو الحسن صوفی قوی بھی اور شیخ ابو بکر شبلیؒ میں بھی اختلاف ہو گیا تھا۔ بلکہ بالمشافہ بحث بھی ہوئی۔ مگر یہ اختلافات اُسی قسم کے تھے جیسے کہ بعض فن کو دیگر فن سے ہوا کرتے ہیں جن میں کسی قسم کا شر نہیں ہوتا۔ اور جن کی نسبت یہ مقولہ مشہور ہے کہ اختلاف العلماء رحمہم اللہ۔

اسی قسم کا اختلاف اُس عہد کے ایک شیخ ابو الحسن مثنی کو بھی شیخ ابو بکر شبلیؒ سے رہا تھا۔ جنہوں نے اپنے شاہ کے رہنے میں حضرت شبلیؒ کو دیکھا تھا۔ اور آپ کے حلقہ درس کے قریب کھڑے ہو کر روحانی تعلیم و تعلم کی کیفیت ملاحظہ کی تھی۔

قلیبات کی دلیل میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ اُس عہد کے امام فرائض شیخ ابو بکر احمد بن موسیٰ حمویؒ نے حضرت شبلیؒ کے اس دعوے پر کہ علم کبھی بُخرا دہا بھی ہو جاتا ہے اعتراض کیا تھا جس کا شبلیؒ نے آیات قرآنی سے ایسا غایان ثبوت دیا کہ سوا خاموش ہو جانے کے کچھ بتانے نہ تھے۔

اور سچ ہے کہ اپنے روحانی جذبات کے جوش میں بعض اوقات آپ علم غینہ اور کتابت کی جو مخالفت کر بیٹھا کرتے تھے اُس نے جماعت علما کو آپ کی طرف سے ضرر و برغن کر دیا ہو گا۔ دواست کو دیکھ کے کہنا کہ اپنی سیاہی ہٹاؤ میرے لیے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے۔ یا یہ فرمانا کہ جب وہ (علما) اوراق کا علم لے کے میرے سامنے آتے ہیں تو میں خرقة کے علم سے اُن کا مقابلہ کرتا ہوں۔ عدا کی دل آزاری کے لیے چھوڑی بات نہ تھی خصوصاً اُن دنوں جبکہ حدیث کے لکھنے اور نقل کرنے کا

عہد فہیات لکبریٰ میں علامہ شعرانیؒ قوی بھی کی جگہ پر پہنچ گئے تھے۔ ۱۳۹ھ نفحات الانس۔ ۱۴۰ھ

۱۴۱ھ نفحات الانس۔ ۱۴۲ھ نفحات الانس۔ ۱۴۳ھ نفحات الانس۔ ۱۴۴ھ نفحات الانس۔

رواج ساری دنیا سے اسلام میں اعلیٰ کمال دینی تصور کیا جاتا تھا۔
 لیکن یہ اختلافات اسی وقت تک تھے جب تک علماء لوگوں سے سن کے بغیر
 دریافت کیے مخالفت شروع کر دیتے۔ اُن میں سے اگر کبھی کوئی اصل حقیقت دریافت
 کرنے کی طرف مائل ہوتا اور خود آپ سے مل کے تحقیق کرتا تو فوراً اختلاف سے باز جاتا
 بلکہ آپ کا معتقد ہو کے واپس جاتا۔ چنانچہ ابن بشار جو اُس زمانے کے ہاکمالوں میں
 تھے ابتداً حضرت شبلی کے اس قدر خلاف تھے کہ لوگوں کو آپ سے ملنے آپ بھجوت
 میں آنے نہ دیتے۔ اور آپ کی تقریر سننے سے روکا کرتے۔ اتفاقاً ایک دن آپ کے پاس
 آئے تاکہ آپ کے علم و فضل ادا آپ کے اصول و عقائد کا امتحان کریں۔ پوچھا: کیوں
 حضرت کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں تو اُن کی زکوٰۃ کیا دے؟ اس سوال پر
 حضرت ابو بکر شبلی نے سکوت کیا تو ابن بشار نے کہہ کر یہی سوال کیا۔ آخر شبلی نے کہا
 کہ ازہرے شرع واجب تو ایک بکری ہے۔ مگر ہم سے لوگوں کے لیے لازم ہو کہ پانچوں
 اونٹ زکوٰۃ میں دے دیں۔ ابن بشار نے کہا: اس مسئلے میں تمہارا کوئی امام بھی ہو
 یا ذاتی اجتہاد ہے؟ فرمایا: ہمارا امام اس مسئلہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں
 نے اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت
 فرمایا کہ: اپنے عیال کے لیے کیا رکھا ہے؟ تو کہا: اللہ اور اُس کے رسول کو یہ شکست
 جواب سن کے ابن بشار بے کچھ کے منے چپکے اپنے گھر واپس گئے۔ اور پھر کبھی کسی کو
 حضرت شبلی کے پاس آنے سے نہیں روکا۔

بہر تقدیر حضرت شبلی سے اگرچہ بہت کچھ اختلاف کیا گیا۔ اور آپ کو متعدد مہمیتوں

اور مباحثوں میں الزام دے گئے مگر آپ کے اصول توحید اور جذبات ایسی پرکونی مخالفت نہیں غالب آسکی۔ اور آخر عمر تک آپ ان رموز وحدت اور اسرار معرفت کے حامل اور مبلغ رہے جو حضرت جنید بغدادی کی معرفت آپ کو اسلاف کرام سے پہنچے تھے۔ اور آپ کے ذریعے سے ہمارے حمد کے پاک باطن صوفیوں تک پہنچے ہیں۔

فیض یا بان صحبت معاصراور مرید

جو روحانی فیض حضرت جنید بغدادی سے دنیائے اسلام کو پہنچا جس کی اشاعت آج تک جاری ہے اور خدا نے چاہا تو رہتی دنیا تک باقی رہے گی اس کے سلسلہ کی ایک طوائف کو سی چونکہ حضرت شہلی بھی واقع ہوئے ہیں لہذا دیگر نرگان سلف کی طرح آپ کا فیض بھی آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اگر چشم بصیرت سے دیکھیے تو تمام اسلامی خانقاہوں کے چراغوں میں حضرت بابا شہلی کے سینے کا نور بھی چمکتا نظر آئے گا۔ اسی طرح حقیقت شناسی کے کان موجودہ صوفیہ صافی طینت کی بوق میں اکثر اوقات شیخ شہلی کا نغمہ مستاذ بھی سن یا کہتے ہوں گے۔ فیض یا ہون کی وہ جماعت درگنا جیسے ہوا سطر یا بعد کے زمانوں میں آپ فیض روحانی پہنچا ہم ان خوش نصیب اور بابرکت بزرگوں کا بھی شمار نہیں کیا جاسکتے جنہوں نے اپنی آنکھ سے آپ کا جمال جان آرا دیکھا اور آپ کے نورانی سینے کی شمع معرفت سے اپنے باطن کی شمعیں روشن کیں۔ بان ان میں سوان چند مخصوص لوگوں کی فہرست پیش کرتے ہیں جن کے نام ہیں علمائے سیر سے معلوم ہونے ہیں راجن کے مبارک نام آپ کے حاکمات کے سلسلے میں آگئے ہیں۔

ان میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو آپ کے معاصر تھے۔ آپ کی طرح وہ
 نہیں اس دور میں مقبول و مستند خیال کیے جاتے تھے۔ اور علوم باطن کی خدمت
 بجالا رہے تھے۔ اور اس کے ساتھ انہیں آپ کے لئے دیکھنے پا کسی قسم کا تعلق پیدا کرنے
 کا موقع مل گیا تھا۔ اور دوسرے وہ بزرگ جو آپ کے مرید تھے آپ کی صحبت فیض
 میں شریک ہوئے تھے۔ اور آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہو کر مروج عالم اور مثانی
 خلق قرار پائے تھے۔

•
 اول الذکر قسم کے لوگوں میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں:-

ابوبکر احمد بن موسیٰ بن عباس بن مجاہد قرنی۔ علم قرأت کے مستند عالم تھے
 اور شیخ قرأت ماسی جاتے تھے۔ ساتون قرأتون سے واقف ہی نہیں مصنف بھی تھے۔
 شہنشاہ میں پیدا ہوئے حضرت ابوبکر شبلی سے ملے اور وہ کتبہ شبلی علم سے ضروری پہنچنے
 کے قائل تھے لہذا اعتراضات کا علم سے فساد کمان آؤ اس کے جواب میں حضرت
 شبلی نے ایسی حیرت انگیز گفتگو کی کہ عرش عرش کر گئے۔ یہ سلسلہ میں سفر آخرت کیا۔
 ابوعلی تصنی حضرت ابوبکر شبلی کے معاصر اور آپ کے ہم پائے شاخ زمانہ میں شمار
 کیے جاتے تھے۔ ان کا قیام خراسان کے مستقر شہر نیشاپور میں تھا حضرت شبلی نے
 اپنے ایک شاگرد کو جاسوسوں کی طرح مخفیہ بھیج کے ان کے ایک سال کے حالات
 و کیفیات اور نیز ان کے کلمات و مواظبات سنا لئے تھے۔ اور پھر ان کو بلا خطہ فرما کے
 رائے دی تھی کہ اس شخص کی صبح کی باتیں تو علم حقائق میں معجزات ہیں مگر رات کا
 کلام رومی اور قاسم ہے۔ اور پھر اس کے سبب کا بھی پتہ لگایا تھا۔ شیخ ابوعلی نے وہ سب

میں تھے۔ معروف میں وہ ایک خداداد اور خاص طریقہ پر چلتے تھے۔ ان کو عام شائع عراق اور خاصہ حضرت ابو بکر شبلی سے بعض امور میں اختلاف تھا جس کی وجہ سے شائع عراق ان کے خلاف ہو گئے تھے۔

ابو عبد اللہ احمد بن ابراہیم مالک۔ ہند کے شاگرد اور مرید تھے۔ مگر شبلی کی نیت سے خرفیاب ہوئے تھے۔ کچھ اور سو برس کی عمر پائی۔ مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کس سال انتقال ہوا۔

دوسری قسم کے لوگوں میں سے پہلے ہم آپ کے فرزند کا نام لیتے ہیں۔ اور ان کے بعد دیگر بزرگوں کی طرف توجہ کریں گے۔ جن کا سلسلہ حسب ذیل ہے۔
یونس بن ابی بکر شبلی۔ یہ حضرت شیخ شبلی کے صاحبزادے تھے۔ جن سے آپ کی غفلت کی کیفیت میں معلوم ہوئی کہ رات بھر کوٹھے پر کھڑے رہے۔ اور صبح کو نہ کھانے کی کہ سو ایک مرغ کے رات کو بجے کوئی اللہ کا یاد کرنے والا نہ نظر آیا۔ یونس کے حالات یہ ہیں اور کہیں نہیں مل سکے۔ لہذا ہم آپ کا کوئی واقعہ بیان کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا کس سستہ میں انتقال ہوا۔

ابو بکر طسانی۔ ان کا اصلی وطن ارض فارس تھی۔ ابراہیم دبلیغ شیرازی اور جناب شیخ شبلی کی صحبتوں سے فائدہ اٹھا کر اس اعلیٰ مرتبہ کمال پر پہنچ گئے کہ بے نیاز شائع زمانہ میں شمار کیے جاتے اور خود حضرت شبلی عزت کرتے تھے۔ سب سے آخرت کیا۔

عہد نفحات الانس۔ عہد نفحات الانس۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔ ۱۴۸۳۔ ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۵۔ ۱۴۸۶۔ ۱۴۸۷۔ ۱۴۸۸۔ ۱۴۸۹۔ ۱۴۹۰۔ ۱۴۹۱۔ ۱۴۹۲۔ ۱۴۹۳۔ ۱۴۹۴۔ ۱۴۹۵۔ ۱۴۹۶۔ ۱۴۹۷۔ ۱۴۹۸۔ ۱۴۹۹۔ ۱۵۰۰۔ ۱۵۰۱۔ ۱۵۰۲۔ ۱۵۰۳۔ ۱۵۰۴۔ ۱۵۰۵۔ ۱۵۰۶۔ ۱۵۰۷۔ ۱۵۰۸۔ ۱۵۰۹۔ ۱۵۱۰۔ ۱۵۱۱۔ ۱۵۱۲۔ ۱۵۱۳۔ ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۵۔ ۱۵۱۶۔ ۱۵۱۷۔ ۱۵۱۸۔ ۱۵۱۹۔ ۱۵۲۰۔ ۱۵۲۱۔ ۱۵۲۲۔ ۱۵۲۳۔ ۱۵۲۴۔ ۱۵۲۵۔ ۱۵۲۶۔ ۱۵۲۷۔ ۱۵۲۸۔ ۱۵۲۹۔ ۱۵۳۰۔ ۱۵۳۱۔ ۱۵۳۲۔ ۱۵۳۳۔ ۱۵۳۴۔ ۱۵۳۵۔ ۱۵۳۶۔ ۱۵۳۷۔ ۱۵۳۸۔ ۱۵۳۹۔ ۱۵۴۰۔ ۱۵۴۱۔ ۱۵۴۲۔ ۱۵۴۳۔ ۱۵۴۴۔ ۱۵۴۵۔ ۱۵۴۶۔ ۱۵۴۷۔ ۱۵۴۸۔ ۱۵۴۹۔ ۱۵۵۰۔ ۱۵۵۱۔ ۱۵۵۲۔ ۱۵۵۳۔ ۱۵۵۴۔ ۱۵۵۵۔ ۱۵۵۶۔ ۱۵۵۷۔ ۱۵۵۸۔ ۱۵۵۹۔ ۱۵۶۰۔ ۱۵۶۱۔ ۱۵۶۲۔ ۱۵۶۳۔ ۱۵۶۴۔ ۱۵۶۵۔ ۱۵۶۶۔ ۱۵۶۷۔ ۱۵۶۸۔ ۱۵۶۹۔ ۱۵۷۰۔ ۱۵۷۱۔ ۱۵۷۲۔ ۱۵۷۳۔ ۱۵۷۴۔ ۱۵۷۵۔ ۱۵۷۶۔ ۱۵۷۷۔ ۱۵۷۸۔ ۱۵۷۹۔ ۱۵۸۰۔ ۱۵۸۱۔ ۱۵۸۲۔ ۱۵۸۳۔ ۱۵۸۴۔ ۱۵۸۵۔ ۱۵۸۶۔ ۱۵۸۷۔ ۱۵۸۸۔ ۱۵۸۹۔ ۱۵۹۰۔ ۱۵۹۱۔ ۱۵۹۲۔ ۱۵۹۳۔ ۱۵۹۴۔ ۱۵۹۵۔ ۱۵۹۶۔ ۱۵۹۷۔ ۱۵۹۸۔ ۱۵۹۹۔ ۱۶۰۰۔ ۱۶۰۱۔ ۱۶۰۲۔ ۱۶۰۳۔ ۱۶۰۴۔ ۱۶۰۵۔ ۱۶۰۶۔ ۱۶۰۷۔ ۱۶۰۸۔ ۱۶۰۹۔ ۱۶۱۰۔ ۱۶۱۱۔ ۱۶۱۲۔ ۱۶۱۳۔ ۱۶۱۴۔ ۱۶۱۵۔ ۱۶۱۶۔ ۱۶۱۷۔ ۱۶۱۸۔ ۱۶۱۹۔ ۱۶۲۰۔ ۱۶۲۱۔ ۱۶۲۲۔ ۱۶۲۳۔ ۱۶۲۴۔ ۱۶۲۵۔ ۱۶۲۶۔ ۱۶۲۷۔ ۱۶۲۸۔ ۱۶۲۹۔ ۱۶۳۰۔ ۱۶۳۱۔ ۱۶۳۲۔ ۱۶۳۳۔ ۱۶۳۴۔ ۱۶۳۵۔ ۱۶۳۶۔ ۱۶۳۷۔ ۱۶۳۸۔ ۱۶۳۹۔ ۱۶۴۰۔ ۱۶۴۱۔ ۱۶۴۲۔ ۱۶۴۳۔ ۱۶۴۴۔ ۱۶۴۵۔ ۱۶۴۶۔ ۱۶۴۷۔ ۱۶۴۸۔ ۱۶۴۹۔ ۱۶۵۰۔ ۱۶۵۱۔ ۱۶۵۲۔ ۱۶۵۳۔ ۱۶۵۴۔ ۱۶۵۵۔ ۱۶۵۶۔ ۱۶۵۷۔ ۱۶۵۸۔ ۱۶۵۹۔ ۱۶۶۰۔ ۱۶۶۱۔ ۱۶۶۲۔ ۱۶۶۳۔ ۱۶۶۴۔ ۱۶۶۵۔ ۱۶۶۶۔ ۱۶۶۷۔ ۱۶۶۸۔ ۱۶۶۹۔ ۱۶۷۰۔ ۱۶۷۱۔ ۱۶۷۲۔ ۱۶۷۳۔ ۱۶۷۴۔ ۱۶۷۵۔ ۱۶۷۶۔ ۱۶۷۷۔ ۱۶۷۸۔ ۱۶۷۹۔ ۱۶۸۰۔ ۱۶۸۱۔ ۱۶۸۲۔ ۱۶۸۳۔ ۱۶۸۴۔ ۱۶۸۵۔ ۱۶۸۶۔ ۱۶۸۷۔ ۱۶۸۸۔ ۱۶۸۹۔ ۱۶۹۰۔ ۱۶۹۱۔ ۱۶۹۲۔ ۱۶۹۳۔ ۱۶۹۴۔ ۱۶۹۵۔ ۱۶۹۶۔ ۱۶۹۷۔ ۱۶۹۸۔ ۱۶۹۹۔ ۱۷۰۰۔ ۱۷۰۱۔ ۱۷۰۲۔ ۱۷۰۳۔ ۱۷۰۴۔ ۱۷۰۵۔ ۱۷۰۶۔ ۱۷۰۷۔ ۱۷۰۸۔ ۱۷۰۹۔ ۱۷۱۰۔ ۱۷۱۱۔ ۱۷۱۲۔ ۱۷۱۳۔ ۱۷۱۴۔ ۱۷۱۵۔ ۱۷۱۶۔ ۱۷۱۷۔ ۱۷۱۸۔ ۱۷۱۹۔ ۱۷۲۰۔ ۱۷۲۱۔ ۱۷۲۲۔ ۱۷۲۳۔ ۱۷۲۴۔ ۱۷۲۵۔ ۱۷۲۶۔ ۱۷۲۷۔ ۱۷۲۸۔ ۱۷۲۹۔ ۱۷۳۰۔ ۱۷۳۱۔ ۱۷۳۲۔ ۱۷۳۳۔ ۱۷۳۴۔ ۱۷۳۵۔ ۱۷۳۶۔ ۱۷۳۷۔ ۱۷۳۸۔ ۱۷۳۹۔ ۱۷۴۰۔ ۱۷۴۱۔ ۱۷۴۲۔ ۱۷۴۳۔ ۱۷۴۴۔ ۱۷۴۵۔ ۱۷۴۶۔ ۱۷۴۷۔ ۱۷۴۸۔ ۱۷۴۹۔ ۱۷۵۰۔ ۱۷۵۱۔ ۱۷۵۲۔ ۱۷۵۳۔ ۱۷۵۴۔ ۱۷۵۵۔ ۱۷۵۶۔ ۱۷۵۷۔ ۱۷۵۸۔ ۱۷۵۹۔ ۱۷۶۰۔ ۱۷۶۱۔ ۱۷۶۲۔ ۱۷۶۳۔ ۱۷۶۴۔ ۱۷۶۵۔ ۱۷۶۶۔ ۱۷۶۷۔ ۱۷۶۸۔ ۱۷۶۹۔ ۱۷۷۰۔ ۱۷۷۱۔ ۱۷۷۲۔ ۱۷۷۳۔ ۱۷۷۴۔ ۱۷۷۵۔ ۱۷۷۶۔ ۱۷۷۷۔ ۱۷۷۸۔ ۱۷۷۹۔ ۱۷۸۰۔ ۱۷۸۱۔ ۱۷۸۲۔ ۱۷۸۳۔ ۱۷۸۴۔ ۱۷۸۵۔ ۱۷۸۶۔ ۱۷۸۷۔ ۱۷۸۸۔ ۱۷۸۹۔ ۱۷۹۰۔ ۱۷۹۱۔ ۱۷۹۲۔ ۱۷۹۳۔ ۱۷۹۴۔ ۱۷۹۵۔ ۱۷۹۶۔ ۱۷۹۷۔ ۱۷۹۸۔ ۱۷۹۹۔ ۱۸۰۰۔ ۱۸۰۱۔ ۱۸۰۲۔ ۱۸۰۳۔ ۱۸۰۴۔ ۱۸۰۵۔ ۱۸۰۶۔ ۱۸۰۷۔ ۱۸۰۸۔ ۱۸۰۹۔ ۱۸۱۰۔ ۱۸۱۱۔ ۱۸۱۲۔ ۱۸۱۳۔ ۱۸۱۴۔ ۱۸۱۵۔ ۱۸۱۶۔ ۱۸۱۷۔ ۱۸۱۸۔ ۱۸۱۹۔ ۱۸۲۰۔ ۱۸۲۱۔ ۱۸۲۲۔ ۱۸۲۳۔ ۱۸۲۴۔ ۱۸۲۵۔ ۱۸۲۶۔ ۱۸۲۷۔ ۱۸۲۸۔ ۱۸۲۹۔ ۱۸۳۰۔ ۱۸۳۱۔ ۱۸۳۲۔ ۱۸۳۳۔ ۱۸۳۴۔ ۱۸۳۵۔ ۱۸۳۶۔ ۱۸۳۷۔ ۱۸۳۸۔ ۱۸۳۹۔ ۱۸۴۰۔ ۱۸۴۱۔ ۱۸۴۲۔ ۱۸۴۳۔ ۱۸۴۴۔ ۱۸۴۵۔ ۱۸۴۶۔ ۱۸۴۷۔ ۱۸۴۸۔ ۱۸۴۹۔ ۱۸۵۰۔ ۱۸۵۱۔ ۱۸۵۲۔ ۱۸۵۳۔ ۱۸۵۴۔ ۱۸۵۵۔ ۱۸۵۶۔ ۱۸۵۷۔ ۱۸۵۸۔ ۱۸۵۹۔ ۱۸۶۰۔ ۱۸۶۱۔ ۱۸۶۲۔ ۱۸۶۳۔ ۱۸۶۴۔ ۱۸۶۵۔ ۱۸۶۶۔ ۱۸۶۷۔ ۱۸۶۸۔ ۱۸۶۹۔ ۱۸۷۰۔ ۱۸۷۱۔ ۱۸۷۲۔ ۱۸۷۳۔ ۱۸۷۴۔ ۱۸۷۵۔ ۱۸۷۶۔ ۱۸۷۷۔ ۱۸۷۸۔ ۱۸۷۹۔ ۱۸۸۰۔ ۱۸۸۱۔ ۱۸۸۲۔ ۱۸۸۳۔ ۱۸۸۴۔ ۱۸۸۵۔ ۱۸۸۶۔ ۱۸۸۷۔ ۱۸۸۸۔ ۱۸۸۹۔ ۱۸۹۰۔ ۱۸۹۱۔ ۱

وہ انھیں کے مرید تھے۔ علوم ظاہر اور خاصہ علم کلام میں ان کے بحر کا آئینہ یادہ کیا
ثبوت ہو سکتا ہے کہ امام المتکلمین و ناس التشرعین حضرت شیخ ابو الحسن اشعری کے شاگرد تھے۔
شیخ ابو الحسن اشعری کو جو شہرت و ناموری حاصل ہو محتاج بیان میں آپ کی خدمت
میں پیشیت شاگرد بنیں بلکہ خادم کی طرح رہتے تھے پھر کہاں روحانی حاصل کرنے کے لیے حضرت شبلی کی
حرف جمع کیا۔ اور آپ کی سرانجام فیض صحبت سے شرف یاب ہو سکے۔ یہ بھی ان چند
خوش نصیب عقیدت کشوں میں تھے جن کی حضرت شبلی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ اور
بے شک یہ بزرگ اس کے مستحق تھے۔ کیونکہ شیخ ابو الحسن اشعری کے مخصوصین میں
تھے۔ ۳۵۲ھ میں وفات پائی۔

ابو سید محمد بن سلیمان بن ہارون بن عیسیٰ بن ابراہیم بن بشیر حنفی صعلوکی رائے
نصرت مکرش ابو علی نقی وغیرہ سے فیض روحانی حاصل کیا تھا حضرت ابو بکر شبلی سے
بہت زیادہ فیض یاب ہوئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ اپنے زمانہ قیام بغداد میں میرا
کوئی ہندو حضرت شبلی کی خدمت میں حاضر ہونے سے خالی نہ جاتا تھا۔ کبھی میں کچھ
پوچھتا اور کبھی خالی بیٹھ کے چلا آتا۔ ایک دن شیخ شبلی ابو اسحق مروزی سے ملے کو گئے۔
اتفاقاً وہاں میں بھی بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کے ان سے کہا کیا مجھ کو تم سے کو گون
میں ہے؟ ہرگز نہیں یہ تو چارے کو گون میں ہے۔ ابو سید کا علم و فضل اس قدر علم
تھا کہ دوست دشمن سب مانتے اور تعظیم کرتے تھے۔ بعد حیا کے نیشاپور میں سکونت
اختیار کی جان بنگل کے دن ۱۵۔ ذی قعدہ ۳۵۲ھ کو آغوشِ حید کے سپرد کیے گئے۔

۳۵۲ طقات شافعیہ لکھی جلد دوم ۱۹۰۔

۳۵۲ طقات الانس ۱۱۵۔

۳۵۲ طقات الانس ۱۱۵۔ ۳۵۲ طقات شافعیہ لکھی جلد دوم ۱۹۰۔ ۳۵۲ طقات الانس ۱۱۵۔

ابو القاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی خراسان کے محترم شيوخ میں تھے۔ شیخ ابو بکر
ثبلی اور نیز ابو علی رودباری اور رئیس کے ایسے صاحب کمال صوفیہ اور علمائے
اُسی کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا حضرت ثبلی کی وفات کے بیس برس بعد
میں وطن مالوف نیشاپور کو خیر باد کہہ کے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور ہجرت کر کے وہیں اقامت
گزین ہو گئے۔ انھیں سید الطائفہ طیف بنیادی کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوا تھا۔
جاوہر پائے طریقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہر کے بھی مستند عالم تھے۔ علم حدیث
میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ اور کثرت سے روایت حدیث کیا کرتے تھے مگر باوجود
اس کے کہ علم حدیث میں اس قدر توغل نہ ہو۔ اور عالی مرتبہ محدث تسلیم کیے جاتے
تھے انھیں سماع و رجال و قال کی صحبتوں سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ اسی میں ابراہیم
ان سے اور ابو عمرو بن نجید سے بحث ہو گئی جس کا ہم اس سے پیشتر ذکر کر چکے
ہیں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں نشو و نما ہوا۔ اور
سنہ ۳۵۰ھ میں خاص مکہ معظمہ میں وصال ہوا۔ مگر علامہ قشیری کی روایت زیادہ
مستند ہے فرماتے ہیں کہ سنہ ۳۵۰ھ میں وصال ہوا۔ اور اسی مقدس زمین میں
آغوشِ محمد کے سپرد کیے گئے۔

ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن حمدون القراء نفحات الانس میں مولانا جامی نے ان
بزرگ کی کنیت بجائے ابو عبد اللہ کے ابو بکر بتائی ہے۔ خراسان و نیشاپور کے عالی مرتبہ
بزرگان دین اور مسلم الثبوت اولیاء اللہ میں تھے۔ ابو علی نقی۔ عبد اللہ بن منار
ابو بکر بن طاہر۔ اور حضرت ابو بکر ثبلی وغیرہ مقبول و مرجع عالم شائع کے چستانِ جلال

سے گلچینی کی تھی۔ اور اس رتبہ کو پہنچ گئے تھے کہ یکساں عصر تصور کیے جاتے۔
 شمس الدین دینائے ناپائدار سے رخصت ہو کے رہ نور عالم آخرت ہوئے۔
 ابوحنس علی بن ابراہیم حضری۔ ان کا خاندان بصرہ کا تھا۔ مگر بغداد میں اقامت
 اختیار کرنی تھی شبلی کے خاص شاگرد اور مرید تھے۔ اور انھیں کے ذریعے ہے حضرت
 ابوکر شبلی کا سلسلہ فیض جاری ہوا۔ یہ جب پہلے پہل مرید ہوئے ہیں تو معمول تھا
 کہ ہر جمعہ کو جناب شبلی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ اور مرشد کی تاکید تھی کہ
 اس درمیان میں اپنی جمعہ کو جمعہ تک خدا کے سوا کسی اور کا خیال بھی متھارے
 دل میں گزر جائے تو تھپن میرے پاس آنا حرام ہے۔ آخر جب علوم باطن میں ترقی
 کی تو اس درجہ کو پہنچ گئے کہ لوگ کہتے ہیں عجیب حالت تھی اور عجیب گفتگو
 اور سامنے عراق کے شیخ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت شبلی سے اگرچہ ہزار با خلقت
 فیض یاب ہوئی مگر اور سب کو صرف باتین سننا نصیب ہوئی تھیں۔ انھیں خاص
 طور پر شاگردی کا خلعت عطا ہوا شبلی ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی
 و فور محبت سے فرما دیا کرتے جیسا میں دو جوانوں ویسے ہی تم بھی ہو۔ یہی سچ
 علم و فضل کے وارث ہوئے۔ اور ان کی جگہ سجادہ نشین ہوئے۔ فقہ حنبلیہ کے
 پیرو تھے۔ اور جمعہ کے دن ماہ ذی الحجہ سلسلہ میں سفر آخرت کیا۔

ابو عبد اللہ ابن ابی ذہل سے ایک خراسان کے صاحب دل اور صاحب دست
 بزرگ تھے۔ کمال روحانی کے ساتھ عالم فقہ تھے اور روایت حدیث کیا کرتے تھے چار سال تک حضرت شبلی کی خدمت
 کی۔ مگر اب وہ تعلیم کا اس درجہ لحاظ تھا کہ انھوں نے اپنی زبان سے کبھی کوئی سوان

سہ حیات اکبری۔ ص ۱۷۷ نجات الانس۔ ص ۱۷۸ حیات اکبری۔ ص ۱۷۹ نجات الانس۔ ص ۱۸۰

نہیں کیا۔ اور لوگوں کے پوچھنے پر حضرت شیخ جو اب دیتے اُسی سے یہ بھی فیض و
برکت حاصل کرتے۔ انہوں نے بہت سامان بھی حضرت شبلی کی نذر کیا تھا۔ جس کی
وجہ سے شیخ شبلی ان کو تہو اور خراسان کہا کرتے تھے۔ بے سمجھے حال آنے پر جو عطر
ہوتا ہے اُس کا شافی جواب جو کسی کے پوچھنے پر حضرت شبلی کی زبان فیض ترخان
سے ظاہر ہوا تھا وہ حسین رضین کی عنایت و روایت سے معلوم ہوا۔ اہل صغیر شاہ
کو ابو عبد اللہ بن ابی ذہب نے سفر آخرت کیا۔

ابو الحسن محمد بن احمد بن اسماعیل بن سمون جو عموماتاً بن سمون کے لقب سے
مشہور تھے حضرت ابو بکر شبلی کے زمانے میں ان کا بچپن تھا۔ ایک دن ایک بڑے
مکلف بائگی ٹوپی پہنے ہوئے بغداد کی جامع مسجد میں گئے۔ حضرت شبلی اپنے معتقدین کے
حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ پاس سے ہو کے نذر مکر خباثت شیخ کو سلام نہیں کیا شبلی نے
ان کی پشت دیکھ کے اپنے خادم ابو بکر اصفہانی سے فرمایا "جانتے بھی ہو کہ اس بچے
میں خدا کے کیسے کیسے ذخیرے جمع ہیں۔ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور ان کا
علم و فضل اس وجہ کو پہنچ گیا کہ انا طبعاً خلیفہ کے محترم مقب سے مشہور ہوئے۔
سندہ میں سفر آخرت کیا۔

ذریعہ علی بن عیسیٰ المقدرباہد عباسی نے اس قابل و نیک مشرب شخص کو سندہ
میں دمشق سے بلوا کے خلعت و وزارت سے سرفراز کیا تھا۔ مگر چند ہی روز بعد سندہ
میں جبیس تو خلافت کا رنگ بگڑا دیکھا و استیفا دے دیا۔ کیونکہ اول تو پہلے ہی سے
خلیفہ کے خادموں اور حرم کی عورتوں خاتمہ امیر المومنین کی والدہ محترمہ کے

مصارف حد سے زیادہ بڑے ہوئے تھے اُس پر طرہ ہوا کہ فوج انبار سے واپس آئی۔
 ٹو اس کی سالانہ تنخواہ مین دو لاکھ چالیس ہزار اشرفیوں کی رقم اور اضافہ کروائی گئی۔
 خلیفہ کی اس نامعاقبت اندیشی پر وزیر علی بن عیسیٰ نے استیفا دیا تو خلیفہ المعتذر باللہ
 نے کہا میں تو آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پھر آپ کیون علیہ ہوئے جائز ہیں؟
 علی بن عیسیٰ نے اپنی ضعیفی و ناتوانی کا عذر کر کے پھر اصرار کیا تو ہستیقا منظور ہوا
 اور خدمت سے الگ ہوتے ہی وہ اور اُس کا بھائی عبدالرحمن بن علی گرفتار
 کر لیے گئے۔ وزیر علی بن عیسیٰ کی نیک نفسی کا ایک نمونہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر شبلی
 کی بیماری کا حال سنا تو خاص شاہی طبیب کو جو عیسائی تھا حکم خلافت اُن کے علاج
 پر مامور کیا اور وہ اُن کی تلقین سے مسلمان ہو گیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔

ابو الحسن مثنیٰ حضرت شبلی کی صحبت فیض سے شرف یاب ہوئے تھے۔ اور بعد کے
 زمانے میں لوگ ان کی زبان سے شبلی کے حالات سنا کرتے تھے چنانچہ شیخ
 ابوسعید ابوالخیر ان سے ملنے ہو گئے۔ اور کسی فقیہ کے یاد دلانے پر شبلی کے چشم دید حالات
 سننے کے شوق ہوئے۔ انھوں نے بے ادبی خیال کر کے پہلے تو جواب رسالت مآب
 صلعم کا ایک واقعہ بیان کیا اور اُس کے بعد حضرت شبلی کا یہ پُر اثر واقعہ بیان کیا
 کہ کسی نے اُن سے وصل کی حقیقت دریافت کی تھی جس پر شبلی نے ایسی تقریر
 کی کہ سب سامعین کو بیتاب کر دیا اور خود بھی غش کھا بکے گر پڑے۔

ابوالعباس دامغانی۔ ان بزرگ کے بھی زیادہ حالات، نہیں معلوم ہو سکے۔
 صرف اس قدر جانتے ہیں کہ حضرت شبلی نے ایک مرتبہ نصیحت کی تھی کہ "خلوت

عبدالرحمن خراسانی جن خراسانی لوگوں کو بغداد میں حضرت شبلی کی صحبت نصیب ہوئی اور ان سے فیض پہنچا ان میں یہ بھی تھے۔ انھیں گامیان ہے کہ مسمیٰ نے حضرت شبلی کے دروازے پر دستک دی۔ ننگے سراور ننگے پاؤں کل آئے اُس نے ان کا نام لے کے پوچھا "وہ کہاں ہیں؟" کہ "وہ کافر خدا اُس پر رحم نہ کرے۔" ایک دفعہ شبلی جو زمین آگے خود ان سے پوچھ بیٹھے تھے کہ شبلی کے سوا کسی اور کو بھی کبھی اللہ دے دیکھا ہے؟ انھوں نے بے تکلفی سے کہا "شبلی کو تو کبھی بھی اللہ کئے نہیں سنا۔ اس جو اپنے ایسا کر گیا کہ شبلی غش کھا کے گر پڑے۔"

شیخ احمد استرآبادی حضرت شبلی کی صحبت کا فخر حاصل کیا تھا۔ اور خربان کے شیخ باطن سلیم کہے جانتے تھے۔ ایک دن شبلی نے اپنے ہاتھ سے ان کی شارب کھول دی تھی یعنی سین کتر دی تھیں۔ اس کو اپنے لیے اتنا بڑا سرمایہ برکت خیال کیا کہ پھر کسی کو مچھون میں ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ یہ ایک عجیب حیرت انگیز اور حد شرع سے گزرا ہوا واقعہ ہے۔ مگر فقرا اور صاحب باطن لوگوں سے کبھی کبھی ایسی ہیعت ملنا ضرور ہو جایا کی ہیں۔ جو ان کے سچے جوش اور نیت خیر کی وجہ سے امید ہے کہ اللہ جل شانہ کی دگاہ میں قابل معافی ہوں گی۔

آپ مقاتل احمد بن مقاتل علی حضرت شبلی کی صحبت فیض سے اکثر برکت حاصل کیا کرتے۔ انھیں نے ان کو مونچے سے بھوؤن کے بال اکھاڑتے دیکھ کے سوال کیا تھا۔ اور یہی ایک مرتبہ صفت میں شبلی کے برابر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ امام کو آئیکرمیہ و لیکن بشا اللہ بھائی بالادی اویحنا الیک سن کے وہ بے اختیار ہو گئے۔ اس سے

زیادہ ان بزرگ کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

ابو العین مواروہی۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ اور بغداد میں صحبت شبلی سے فیض اٹھاتے تھے۔ انھیں نے پہچا تھا کہ اکرم الاکرمین (سب فیاضوں سے بڑا فیاض کون ہے؟) فرمایا "وہ جس نے کسی خطا پر ایک شخص کو معاف کر دیا تو پھر اس غناہ کی وجہ سے کسی پرندہ بے کرے گا۔"

ابو بکر صید لانی۔ جو بھی خاک فارس سے ظاہر ہوئے۔ اور عراق و بغداد میں آئے حضرت شبلی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ جناب شیخ شبلی ان کی بھی تعلیم و تکریم کیا کرتے۔ مگر آپ کے بعد واپس جا کے نیشاپور میں اقامت گزین ہو گئے تھے۔ جان انتقال کیا۔ اور آغوشِ عد کے سپرد کیے گئے۔

ابو محمد ہروی۔ حضرت شبلی کے انتقال کے وقت یہ اکثر حاضر رہتے تھے۔ پتا پتہ شب وصال کو رات بھر سوچ رہے۔ اور کہتے ہیں کہ شبلی کا ساری رات یہ عالم تھا کہ بار بار دُشتر پڑتے جو وفات کے حالات میں بیان کیے جائیں گے۔ بیکسو بخوری آپ کے مرید اور آپ کے خادم تھے۔ مرض موت میں آپ کے پاس حاضر تھے۔ انھیں سے آپ کے انتقال کے چند حالات مروی ہیں۔ ان کا انتقال و وفات یہیں نہیں معلوم ہو سکا۔

ابو بکر اصغری۔ ان کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضرت ابو بکر شبلی کے خادم تھے۔ اس کے سوا ان کا اور کچھ حال نہیں معلوم ہو سکا۔

۱۔ نہات الانس ۲۔ نہات الانس ۱۰۹۔ ۳۔ سائر کشمیریہ ۱۰۹۔

۴۔ روض الرواحین ۱۰۹۔ ۵۔ نہات الانس ۱۰۹۔ ۶۔ نہات الانس ۲۰۱۔

• خاتمہ نیشاپورینہ یہ خاتون بھی حضرت شبلی کے فیض روحانی سے بہرہ یاب ہوئی تھی۔ اور غالباً آپ کی خادمہ تھی۔ جب حسین بن منصور حلاج کی نسبت علانیہ قتل کا فتویٰ دیا ہے اور ان کی نسبت لوگوں میں طرح طرح کے خیالات مشہور ہوئے ہیں تو حضرت ابو بکر شبلی نے اس خاتون کی معرفت ان سے چند سوالات کے جواب طلب کیے تھے:-

ان بزرگوں کے علاوہ چند اور محترم نام بھی ہیں جن کے مختصر حالات بھی ہمیں نہیں معلوم ہو سکے۔ مگر آپ کی صحبت فیض میں کہیں نہ کہیں ضرور نظر آ گئے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ ان کے قابل قدر ناموں سے بھی ہم ناظرین کو بخبردار رہیں۔ لہذا ان کی مختصر فہرست بھی پیش کیے دیتے ہیں، (۱) احمد بن محمد بن زید بن نجین آپ نے تاریخ کی شان ثانی تھی۔ (۲) محمد بن محمد بن عبد الوہاب جن کے سامنے آپ نے فرمایا کہ معرفت کیا چیز ہے (۳) منصور بن عبد اللہ بن خن کو آپ سے معلوم ہوا کہ شان صحبت کیا ہے۔ (۴) ابو علی غازی جنہوں نے اپنے اوپر آیات قرآنی کے اثر و نفع کو حضرت شبلی کے سامنے بیان کر کے جواب ثانی پایا۔ (۵) عبد اللہ بن علی جن سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ سامع نے شبلی پر کیا اثر کیا تھا (۶) ابو عمران جو علما سے زمانہ میں تھے شبلی کے حلقہ فیض کے برابر جامع بغداد میں چھ کے درس دیا کرتے تھے اور جو ایک مسئلہ فقہی میں حضرت شبلی کی تحقیقات سن کے حیران ہو گئے تھے۔ (۷) ابو بکر رازی جن سے روایت ہو کہ شبلی نے علما کے علم کو باعث فساد بھی خیال کیا۔ (۸) ابو الحسن متقی جنہوں نے ایک بار حضرت شبلی کو متائد و ارجح اشارے کرتے سنا۔ (۹) طاہر بنی ان سے بھی شبلی کی شہرہ تھی

عہ شریعی ہنری آن ہیا صنفہ ہون۔ طہ اول صفحہ ۲۲۷۔

مروی ہے۔ (۱۰) ابن بشار جو لوگوں کو شبلی کی صحبت میں آنے سے روکتے تھے، اور
 پھر ایک مرتبہ مل کے ایسے متفقہ ہوئے کہ اس سے باز آ گئے۔ (۱۱) حسین بن منصور
 حلاج جو علماء کے حکم سے قتل ہوئے۔ اور جن کا مختصر حال حضرت جنید کی بیقرین
 لکھا جا چکا ہے۔ (۱۲) شیخ ابو زرہ رازی۔ (۱۳) شیخ ابو نصر قیانی (۱۴) حسین بن اصغر
 جن کے ہاتھ میں دو ات دیکھ کے شبلی نے فرمایا تھا کہ اپنی سیاہی ہٹاؤ۔
 ان کے سوا اور خدا جانے کتنے گران پایہ معاصر اور فیض یابان صحبت ہوتے
 جن کے نام ہم نہیں جانتے۔ مگر اس فرست کے خاتمہ پر ہم فاتحہ اور دُعائے مغفرت
 میں انھیں بھی شریک کر کے درگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں کہ خداوند
 اپنے فضل و کرم سے تو ان سب کی مغفرت کر۔ اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر چلاؤ۔

وفات

مومن کی وفات کیا۔ ایک قیدی تھا جو قید خانہ سے چھوٹا اور آزمائش گاہ
 دنیا کے آلام و مصائب سے اُسے نجات مل گئی۔ خصوصاً اس مومن پاک طینت
 کی وفات جو ”موتوا قبل ان تموتوا“ کے سچے اصول پر عمل کر کے اپنی ہستی پہلے ہی
 مٹا چکا ہو۔ اور توحید کی دُھن میں فنا ہو کے ایسا مٹ گیا ہو کہ اُسے اپنی زندگی و
 موت کا امتیاز ہی نہ باقی رہا ہو۔ مگر لوگوں کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ ایک دلی
 کامل اور دست جام الست کی موت کیسی ہوا کرتی ہے۔

شیخ ابو بکر شبلی کی موت جہان کی نظر میں نہیں صرف ہمارے خیال میں موت
 ہے۔ نہایت ہی اطمینان و سکون کی موت تھی۔ وصال کا زمانہ قریب آیا تو بار بار

زبان مبارک سے یہ کلمات نکل جاتے کہ بہت سے مقامات میں کہ اگر وہاں میں مردوں
 تو لوگوں کے لیے ایک عذاب و نصیب ہو جاؤں جس دن سفر آخرت کیا ہو اس سے
 پہلی شب کو ساری رات بار بار یہ شعر زبان سے نکل جاتا تھا۔

وَجَعَلْنَا الْقَوْلَ جَهَنَّمَ يَوْمَ تَأْتِي الْقَوْمُ بِبَاسِهِمْ
 تیرا چہرہ جو امید گاہ ہے اُس روز ہماری محبت ہو گا جس دن سب لوگ اپنی
 اپنی محبتیں لے کے حاضر ہوں گے۔

ابو محمد ہروی جو آپ کے باصفا عقیدت کیشوں میں تھے فرماتے ہیں کہ اس شب کو
 میں صبح تک پاس بیٹھا رہا۔ کثرتِ اذنین و شعر پڑھتے سنتا تھا۔ جن میں دوسرا شعر
 تو یہی ہے اور پہلا یہ تھا کہ۔

حَسْبُكَ بَيْتٌ أَنْتَ سَاكِنُهُ غَيْرُ مَحْتَسَاجٍ إِلَى الشَّرْحِ
 جس گھر میں تُو رہتا ہو اُسے چرخ کی ضرورت نہیں یعنی تیرا رخ روشن چرخ
 کا پورا کام دے دے گا۔

اس موقع پر آپ کی ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی جو آپ کے روحانی کمالات
 کے دیکھنے قابل حیرت نہیں۔ آپ کے خادم اور مرید بیکہ کہتے ہیں حضرت ابو بکر شبلی
 مرض موت میں مبتلا تھے کہ اتفاقاً مجھ کا روہ آیا۔ اور مرض میں گونہ تخفیف نظر
 آئی۔ بچھوٹے تھے۔ اور دینداری کے جوش لے اتنی طاقت پیدا کر دی کہ مجھ پر
 سہارا دے کے جامع مسجد کی طرف روانہ ہوئے کہ نماز جمعہ میں شریک ہوں۔
 کتب فدوشون کے بازار تک پہنچے تھے کہ ایک تازہ وار شخص راسے میں ملا
 سے راسے نشیر یہ ۳۳۰ ہفتہ تذکرہ اولیا۔ ۱۸۸۵ء رسالہ نشیر یہ ۱۰۴۔

جو مصافحہ سے آیا ہوا تھا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی فرمایا: ”کل بجے اس شخص سے ایک ساتھ چسے گا۔“ میں نے اس بات کا کوئی خیال بھی نہیں کیا۔ اور انھیں جاتے مسجد میں لے جا کے ناز پڑ پائی۔ پھر گھر میں واپس لایا۔ خدا کی قدرت اُسی رات کو اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور کسی اچھے غسل دینے والے کی تلاش ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ بشتین کے محلہ میں ایک نیک فاضل و پرہیزگار شخص ہے جو غسل میت دیا کرتا ہے۔ میں فوراً اُس کے لانے کو روانہ ہوا۔ اور لوگوں نے مجھ اُس کے دروازہ پر لیجا کے کھڑا کر دیا۔ میں نے دروازے پر ایک ہلکی سی دستک دی اور یہ آواز بلند کرنا: ”السلام علیکم“ فوراً اندر سے یہ آواز آئی: ”کیا شبلی کا انتقال ہو گیا؟“ میں نے کہا: ”ہاں“ یہ جواب سنتے ہی وہ باہر نکل آیا۔ اب جو صورت دیکھتا ہوں تو وہی شخص ہے جس کی طرف کل حضرت شیخؒ نے اشارہ کیا تھا: ”یہ ہی رب دہل پر کچھ ایسی حیرت طاری ہوئی کہ بے اختیار منہ سے نکلا: ”لا اِلهَ اِلا اللہ“ اُس نے بھی کہا: ”لا اِلهَ اِلا اللہ“ پھر پوچھا: ”آپ کو ہجرت کس بات پہ ہے؟“ میں نے کل کی ساری سگڑت بیان کی اور پوچھا: ”آپ کو اُن کے انتقال کی خبر کیونکر معلوم ہو گئی؟“ اُس نے کہا: ”عجب احمق ہو۔ آخر شبلی کو آج کے سلبقے کی کیونکر اطلاع ہو گئی تھی۔“

جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی اور وصال کی گھڑی سر پہ آگئی تو آپ کی بیوہ اسی مڑھی۔ وہ قنایت و خلوت کی طرف آئے ہی نہ دیتی تھی ذرا کم ہوئی کیونکہ منور تھا کہ آپ کو جاتہ مرگ پلایا جائے اور اُس کے مزے کو آپ چکھیں۔ اس حالت میں آپ کو اپنی انسانیت اور معاصی کا خیال آیا۔ فرمایا: ”دو ہاتھیں چل ہی ہیں

ایک لطف کی اور دوسری قدر کی جس پر لطف کا جھونکا چل گیا وہ مضمود تک پہنچ گیا۔ اور جس پر قدر کی ہوا چلی حجاب میں گرفتار ہو گیا۔ دیکھیے اب اس وقت ہوائے لطف آتی ہے یا ہوائے قدر۔ اگر ہوائے لطف کا جھونکا آیا تو اس کی امید پر ہر طرح کی سختیاں اور ساری نامرادیان برداشت کر سکتا ہوں۔ لیکن اگر کہیں ہوا قدر چل گئی تو لگ کر گزرا ہوا۔ اس کی آفت کے سامنے کسی سختی اور بلا کی ہستی نہیں۔ اب ترغ کا عالم طاری تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ لا الہ الا اللہ حجاب میں ایک نظم پر جس کا مطلب یہ تھا کہ سلطان مبت رشوت نہیں قبول کرتا۔ لیکن باوجود اس محبت اور دریائے تعہد میں غرق ہونے کے دینداری کی حس اس قدر صحیح تھی کہ بیابانِ اردن کی طرف دیکھ کے فرمایا ایک درہم کا مظلمہ مجھ پر باقی تو اس کے لیے ہزار دن درہم خرچ کر چکا ہوں۔ مگر دل پر سے اس کا بار نہیں ہٹتا۔

چونکہ سب کو آپ کے استعمال کا یقین ہو گیا تھا اس لیے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے کہ تمیز و تفضیل اور ناز و نیاز میں شریک ہوں۔ اس امر کو آپ سمجھ گئے اور ان لوگوں کو دیکھ کر فرمایا "عبرت کی بات ہے کہ مردوں کی جماعت دُعا کی تاز پڑھنے کو آئی ہے یہ حقیقت شناسوں کے نزدیک، دُنوی زندگی موت ہے اور اس عالم کی اپنی زندگی حیات یہ یقین آخری سالس تک آپ کے دل میں تھا۔ اور واقعی اس جملہ کا حاضرین پر بڑا اثر پڑا ہوگا۔

اب آپ کو معلوم ہوا کہ خدا کے پاس جانے اور دربارِ رب العزت میں حاضر ہونے کا وقت آگیا۔ حضرت تفسیر کرانِ دنیوی کی طرف دیکھ کے فرمایا "مجھے وضو کرنا"۔

عمر بن الخطابؓ فرمایا: "اے نبیؐ! یہ عوارض العبادت، ہر لمحہ تذکرہ اور دعا ہے۔"

انھوں نے فوراً تعمیل ارشاد کی مگر ڈاڑھی میں خلل کرنا بھول گئے۔ لیکن اتنی دیر میں آپ کی زبان بند ہو چکی تھی جعفر کا ہاتھ کپڑے کے خود ہی خلل کرا لیا۔ آپ جو دیکھا تو بالکل ہی آخری وقت تھا۔ جعفر بے اختیار رونے لگے اور ایک آہ کے ساتھ کہا: "اُس شخص کا کیا کہنا جس نے مرتے دم تک آداب شریعت میں سے ایک چیز بھی نہیں چھوڑی؟"

اب اس وقت کلمہ توحید کی تلقین کرنی چاہی اور عرض کیا کہ کہیے لا الہ الا انت زبان نے اتنی یاری دی کہ فرمایا: "جب غیر ہی نہیں تو نفی کس کی کروں؟" لوگوں نے عرض کیا: "حکم شریعت یونین ہو۔ آپ کلمہ پڑھیں۔" پھر وہی پہلا جواب دیا کہ سلطان محبت کتنا ہے میں رشوت نہ قبول کروں گا؟ اس وقت کسی شخص نے زیادہ بلند آواز سے کہا کہیے لا الہ الا انت بولے ایک مردہ زندہ کو تلقین کرنے آیا ہو؟ ایک ذرا خموشی رہی۔ اور ایک گھڑی بعد لوگوں نے پوچھا: "اب مزاج کیسا ہے؟" فرمایا: "محبوبیے جا ملات اور اسی خستہ پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔" اتنا کہہ کر اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔

سنت ۷۰ میں برس پورا ہونے کے ساتھ ہی آپ کی عمر بھی پوری ہو گئی۔ ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہونے کو دو ہی دن باقی تھے کہ جمعہ کا دن آگیا۔ اس سال کا اندر آپ دوسرا جمعہ ملنے کی امید نہ تھی لہذا آپ نے جمعہ کی غار جامع مسجد میں ادا فرمائی اپنی میت نہلانے والی کی خدمت دکھائی اور دن کے ختم ہوتے ہی نیلے پوتیا و قالی سے رخت ہو گئے۔ آپ نے بمقابل اپنے مرشد جنید بغدادی اور دیگر شاخ زمانہ کے بہت

زیادہ عمر پائی۔ کیونکہ ۷۰ برس تھے۔ اور بغداد کے مقبرہ خیران میں دفن ہوئے۔
 لوح تربت پر آپ کا نام جعفر بن یوش کندہ تھا۔ مگر اکثر علماء سیرۃ نے
 آپ کا نام دلف بن جعفر بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں نام ہوں۔ جیسا کہ ہم ابتدا
 میں بیان کر چکے ہیں۔ آپ کے مزار کی نسبت ہم یہ تو نہیں بتا سکتے کہ فی اہل
 کس حالت میں ہے۔ اور آج کل بغداد میں قبرستان خیران کا بھی پتہ ہوا نہیں
 لیکن قدامت لایا میں مت دراز تک پتہ لگتا ہے کہ لوگ زیارت کو جانے اور روحانی
 فیض و برکت حاصل کرتے تھے۔

اکثر بزرگان دین اور اہل طریقت نے آپ کے انتقال کے بعد آپ کو
 خواب میں دیکھا۔ مگر وہاں بھی وہی شان جوش و خروش اور ذوق و شوق کے
 جذبات نظر آئے۔ چنانچہ ایک شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی تو اس نے
 پوچھا ”آپ نے آخرت کے بازار کو کیا پایا؟“ فرمایا ”بالکل بے رونق۔ سوا جملے
 ہوئے کلیجوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے کچے ٹکڑے نظر آتا۔ وجہ یہ کہ یہاں تو جملے
 کلیجوں پر مرہم رکھا جاتا ہے۔ اور شکستہ دل جوڑے جاتے ہیں۔ پس اس کے
 سوا یہاں دلوں کا اور کوئی کام ہی نہیں۔“

ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا ”منکر و نکیر سے کیونکر بچتی؟“ بولے
 ”انہوں نے پوچھا تیرا خدا کون ہے؟ میں نے کہا وہ جس کے حکم سے تم نے اور تمام
 فرشتوں نے میرے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا میں انہیں آدم کے

۱۔ ابن خلکان۔ طبہ اول۔ ۲۲۵۔ ۲۔ نفحات الانس۔ ۳۲۔ ۳۔ طبقات الکبریٰ۔ ۱۳۰
 ۴۔ تذکرۃ الاولیاء۔ ۲۴۰۔

صُلب میں تھا اور تھین دیکھ رہا تھا۔ یہ جواب سُن کے وہ ہلے اس نے تو ساری
نسل آدم کی طرف سے جواب دے دیا۔

کسی اور نے دیکھا تھا۔ پوچھا ”اللہ جل شانہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟“
فرمایا ”اُس نے ایسی پونچھ گچھ کی کہ میں مایوس ہو گیا تھا۔ اور مجھے کوئی امید نہجائ
نہیں نظر آتی تھی۔ لیکن آخر کو جب میری یاس دیکھی تو اپنے آغوشِ رحمت میں
لے آیا۔“

اسی طرح ایک اور صاحب نے آپ کو خواب میں دیکھ کے یہی سوال کیا کہ
”خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟“ تو نے باوجود اُن تمام دعویٰ کے چھپو
ظاہر ہوا کرتے تھے اُس نے کسی بات کا مخاطبہ و محاسبہ نہیں کیا۔ لیکن ایک روز
میں کہ بیٹھ تھا اُس سے بڑھ کے کوئی نقصان نہ ہوگا کہ تو بہشت سے باز رہے اور
دورخ میں جائے۔ میرے اس فقرے پر عتاب کیا۔ اور ارشاد فرمایا ”سب سے بڑا
نقصان یہ ہے کہ لوگ میرے دیدار سے محروم رہیں اور محبوب ہوں۔“

آپ سترہ مہینہ پیدا ہوئے تھے جس سال کہ خلفائے عباسیہ میں سے المتوکل
علی اللہ مارا گیا اور ائمہ نے سرِ خلافت پر قدم رکھا۔ اور وفاتِ سترہ مہینہ
ہوئی جس سال کہ اشکافی باشرِ سرِ خلافت سے اتارا گیا۔ اور اُطیع بن قُتایب خلافت پہنا۔
اس ستاسی برسوں میں خلافتیں بڑبڑی پئے کھائے تھے۔ آل عباس کے بارہ ہاشمی ظلیفہ
تخت پر بیٹھے اور اترے مخصوص آپ کی ولادت کے زمانے میں اپنی سرِعت سے تعلق
ہوئے تھے کہ جب تک آپ نو برس کے ہوئے ہوں چار ظلیفہ تخت سے جبراً کوجا کر تھے۔

اُس کے بعد تخت و تاج خلافت کو ذرا استقلال حاصل ہوا تھا۔ مگر آپ کے آخر زمانے میں یعنی سترہ اوّل صدی میں عباسی قاجدار تخت سے اتارنے اور کمال بے رحمی سے اندھے کیے گئے۔ باول الذکر سال میں قریہ ہوا کہ خلیفہ المتقی شد کشتیوں پر سوار ہو کے رقتہ سے بغداد آ رہا تھا۔ سند یہ نام ایک مقام میں ٹھہر گیا اور ترکوں کا امیر عظم تورون جسے المتقی نے امیر الامرائی کا خلعت پہنایا تھا مجددیہ کے ہانے سند میں آ کے اُس سے ملا۔ جان علم نام ایک عورت کی سازش سے اُس نے خلیفہ کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی۔ اور اُسے اندھانہ کے استکفی بانہ کے ہاتھ پر بیت کر لی۔

تورون تو دوسرے سال یعنی سترہ صدی کے شروع ہی میں مر گیا۔ لیکن آپ بغداد پر مغرالدولہ بن بویہ کا عمل دخل تھا جس کے آتے ہی ماہرے ڈر کے خود خلیفہ استکفی چھپتا پھرتا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ دشت کم ہوئی۔ خلیفہ مغرالدولہ سے ملا کثرت لی۔ اور اُسے دوست بنا لیا۔ مگر اہل بغداد پر سب سے بڑی یہ آفت نازل تھی کہ خود مغرالدولہ تو خلیفہ کا ہمان ناخواندہ بنا ہوا تھا۔ اور اُس کے شکاری جبراً و قہراً رعایا بغداد کے ہمان بنائے گئے تھے۔ جس آفت سے بغداد والوں کو کبھی سابقہ زمین پر تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں اُسی عورت علم نے جو اب استکفی کی نفس ناطقہ اور دہلی پر چھائی ہوئی تھی۔ یوان خلافت میں ولیموں اور ترکوں کی ایک دعوت کی۔ جسکے مغرالدولہ کو یہ بدگمانی ہوئی کہ علم قمرج والوں کو میرے خلافت ابھار رہا ہے۔ اسی ہے۔ اس کے بعد استکفی نے استقامت کے لیے مغرالدولہ کو خود ہی بلا بھیجا۔ ۳۲۔

جمادی الآخر کو وہ اچانک خلافت میں آ کے شان و شکست سے بیٹھا۔ حاکم خراسان

کاسفر بھی حاضر دربار تھا کہ یکایک دو دو لمبی نقیب ٹل جاتے ہوئے آئے اور خلیفہ کے ہاتھ کی طرف بڑھے۔ تسکفی سمجھا کہ دست بوسی چاہتے ہیں۔ آپ ہی اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اور انھوں نے بھائے دست بوسی کے خلیفہ کو ہاتھ پکڑ کے تخت سے کھینچ کے نیچے گرا لیا۔ پھر اسی کے عمامہ سے اُسکی گردن باندھی۔ اور خزانہ کے گھر میں پکڑ لے گئے۔ ساتھ ہی ایوان خلافت اس طرح لوٹا گیا کہ کوئی ادنیٰ چیز بھی نہیں باقی رہی۔ ابوالاحمد شیرازی جو تسکفی کا کاتب تھا وہ بھی قید کر لیا گیا۔ حکم کی جو عمل خانہ کی داروغہ تھی زبان کاٹ لی گئی۔ اور لطیف شرک کے ہاتھ پر بیعت کر کے عربی تسکفی اُس کے حوالے کر دیا گیا جس نے سنگدلی سے اُسے سلا نیان پھیس کے مراندھا کر دیا۔

یہ واقعات ہنگامہ مصیبتیں اور آفتیں تھیں جنہیں حضرت ثبلی نے وفات سے چھ مہینے پہلے دیکھا تھا۔ مگر اُن کی تو خدا سے لگی ہوئی تھی ان معاملات کا اُن پر بہت ہی کم اثر پڑا ہو گا۔ اور شاید انھوں نے خیال بھی نہ کیا ہو کہ بغداد میں کیا ہو رہا ہے۔

یہ بھی سلطنت اور حکومت کی باتیں تھیں جن سے سوامعزین سلطنت کے تمام رعایا کو کم دخل ہو سکتا ہے۔ مگر حضرت ثبلی کی وفات کا زمانہ سلطنت ہی کے لیے نہیں رعایا کے لیے بھی قیامت خیز اور سخت آفتوں کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اس سال بغداد میں ایسا سخت قحط پڑا جیسا کہ اوپر بھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ خدا کی کسی سے یہ حالت ہو گئی کہ لوگ مُردار جانوروں کو کھانے لگے۔ بہت سے لوگ

کتون اور لہون کو پکڑنے کھا گئے۔ بعض لوگ اس درجے تک عبرت روزگار
 لے کہ خود اپنے بچوں کو بھون کے کھاتے ہوئے پائے گئے۔ جب اور کچھ نہ ملا تو
 لوگوں نے کانٹے کھانا شروع کیے۔ جس کی وجہ سے امراض اور اورام کی شدت
 ہوئی۔ اور ہر گلی کوچے میں موت کا بازار گرم ہو گیا۔ حتیٰ کہ مردوں کو دفن کرنا
 دشوار تھا۔ لاشیں باہر پڑی سڑتیں اور کتے اور جانور اٹھیں فوج فوج کے کھاتے۔
 آخر بہت سے لوگ بغداد چھوڑ کے بصرہ کی طرف چلے۔ کہ شاید وہاں اس عذاب
 انہی سے بچکارا ہو۔ مگر ان میں سے اکثر نورستے ہی میں مر گئے۔ اور جو زندہ پہنچے
 وہ بصرہ پہنچے مریے۔ جان بیکوئی نہوسکا۔ خلاصہ یہ کہ بغداد میں مکان اور
 جائدادیں ایک ایک ٹکڑے پر بک گئیں۔

معرفین کمال

بادشہ ایران شہید ترین مخالفین بلکہ عداوتوں اور آزار دہانیوں کے
 جن کا ذکر ہو چکا ہے آپ کے کمالات باطنی کی خاص کرامت تھی کہ مخالفین
 میں جس قدر جوش مخالفت بڑھتا اُس سے زیادہ زمانہ آپ کے موافق اور آپ کے
 فضل و کمال کا معترف ہوتا جاتا اور یہی وجہ تھی کہ آہن ہتار اور آہو بکڑی
 کے ایسے مستعد اور مشہور زمانہ علما اختلاف و اعتراض کرنے کے لیے آئے
 اور جب آپ کی تقریر سنی تو اپنے شکوک و شبہات سے باز آ کے حلقہ گوش عقیدت
 ہو گئے۔ جامع بغداد کے اندر جن مہرم قائل کے تلامذہ نے امتحان لینے کے طریقے

سے فہمی مسئلہ پوچھا تھا وہی آپ کی وسیع معلومات اور آپ کا بے غرضی دیکھ کے اس درجہ عیش کر گئے کہ اُسے معذرت خواہ ہوئے۔ اور اقرار کر لیا کہ آپ کی تقریر سے ہیں وہ باتیں معلوم ہو گئیں جو نہیں معلوم تھیں۔

وہی سلطنت جس نے مشائخ صوفیہ کو مجرم قرار دیا تھا۔ حضرت حنید بغدادی جس کے خوف سے بظاہر فقیہ اور باطن میں شیخ باطن بنے رہتے تھے جس نے نوری کو بازجو کیا جس نے خود حضرت بشلی کے دوست حسین بن منصور کو نہایت عبرت ناک طریقے سے قتل کیا اُسی کی یہ حالت تھی کہ جب یہ سچا ہوئے تو وزیر سلطنت عیادت کو آیا۔ اور شاہی طبیب کو خلیفہ سے باضابطہ اجازت حاصل کر کے آپ کے علاج کے واسطے مامور کیا۔

دیگر مالک اور بلاد کے مشائخ آپ کے خلاف ہوئے تو عراق کے تمام مشائخ اور ذوق یا بان معرفت آپ کے طرفدار اور اُن کی تردید پر آمادہ ہو گئے۔ وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے جذبات کو علانیہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور اس ظہار میں سچائی اور راست بازی تھی۔ یہ صرف راست بازی ہی کی برکت تھی کہ جو مسائل آپ کی زبان سے اور آپ کی صحبت فیض میں سنے جاتے چاہے کیسے ہی نئے اور انوکھے ہوں اور علمائے زمانہ کو اُن سے چاہے کیسی ہی وحشت ہوتی ہو مگر آپ کی زبان سے وہ ایسے صدق اور خلوص سے نکلتے تھے کہ اپنا سبوتاژ کر دکھاتے۔ اور دشمن کو بھی اسیرِ دام عقیدت کر لیتے۔

اسلام کی اشاعت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کو خاص دخل تھا جس وقت تک آپ ایمان نہیں لائے صحابہ کعبہ میں جا کے

علائیہ عبادت نہ کر سکتے۔ اور نہ علی رؤس الاشہاد و اعتراف توحید کی انھیں جرأت ہو سکتی تھی۔ حضرت فاروق اعظم نے دین برحق کے قبول کرنے ہی فرمایا کہ جب کھا علائیہ کفر و شرک کے رسوم کو بجالاتے ہیں تو ہم خدا کے واحد و الجلال کی عبادت علائیہ کیوں نہ کریں۔ اور اُسی وقت جا کے کعبہ میں نماز پڑھی۔ اور اصلاح کلمہ اشہد کی بنیاد ڈھکی۔

یہی شان اصول معرفت کے انہار اور رموز حقیقت کی تبلیغ میں جناب شیخ ابو بکر شبلی سے نمایان ہوئی۔ آپ کے زمانے تک اصول تصوف کی تلقین غصیہ طور پر کی جاتی تھی۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اُن کے اختلاف کی بیان تک کوشش کرتے کہ دروازہ مقفل کر کے کئی زانو کے نیچے رکھ لیتے تو زبان کھولتے۔ مگر حضرت شبلی نے شیخ و مرشد کے زمانے ہی سے اپنے خیالات و جذبات کو عدائیہ ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور بعد تو تصوف کو اس قدر ترقی دی اور اُس کے مسائل غصیہ کی اس قدر اشاعت کی کہ زمانے میں ہر طرف نوک اس متبرک فن کے محترف ہونے لگے۔ اور یہی دیرینہ کوشش نے ہر جگہ ایسے ایسے جو یاے حقیقت پیدا کر دیے کہ سارے ممالک اسلام میں وحدت کے ختمی بن گئے۔ اور جہان دیکھیے اسی روحانی شراب کا جام چل رہا تھا۔

چنانچہ بعض متقدمین نے تسلیم کر لیا ہے کہ اصول تصوف کو پہلے حضرت ذوالنون مصری نے بیان کیا جو امام دارالہجرت حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔ پھر حضرت جنید بغدادی نے انھیں ترقی دی۔ اور اُن کو مدون و منضبط کیا۔ اور مہر پریشیہ کے اُن کی تبلیغ میں علائیہ اور حضرت شیخ

ابو بکر شبلی نے ہند کی۔

آپ کی یہی خیر و برکت تھی جد و زہد و زہد آپ کی مقبولیت اور قہر و منزلت کو
بڑھاتی ہی رہی۔ چنانچہ لوگوں میں علی، العموم مشہور تھا کہ شہر بغداد میں (جو ان
دونوں دنیائے اسلام کا قلب تھا) لچاٹا نقص تین عجائبات ہیں۔ (۱) اشارت
یعنی رموز کے بتانے میں شبلی۔ (۲) مکاشفات میں مرتضیٰ۔ (۳) حکایات میں
جعفر خلدی۔

یہ دونوں بزرگ حضرت شبلی کے ساتھ عجائبات بغداد بتائے گئے ہیں خود
بھی حضرت شبلی کے کمال کے معترف تھے۔ شیخ شبلی کا نعرہ مستانہ جس کا کئی بار ذکر
آچکا ہے مشہور تھا۔ اور یہ دونوں حضرات مرتضیٰ اور خلدی نعرہ شبلی کا گواہ بنے
ہوئے تھے۔ اور آپ کی تعریف میں طبیب اللسان رہتے۔

چنانچہ مرتضیٰ کا یہ قول تھا کہ عجائب بغداد میں ہیں (۱) نعرہ شبلی۔ (۲) نکتہ
مرتضیٰ۔ یعنی خود میرے نکات و رموز۔ (۳) حکایات خلدی۔ اور خلدی بھی ان کے
اس دعوے کی تائید میں فرماتے۔ اور اپنے وسیع تجربے کو پیش کر کے کہتے کہ
”میں نے دو ہزار شاخ دیکھے ہیں۔ مگر عراق میں تین عجائبات جمع نظر آئے (۱) نعرہ شبلی۔
(۲) نکتہ مرتضیٰ۔ اور (۳) حکایات میری۔“

ان دونوں بزرگوں نے اگرچہ حضرت شبلی کے نعرہ مستانہ کو عجائبات بغداد
و عراق میں بتایا ہے اور اس عام شہرت کی طرف ہمیں توجہ کی کہ ابو بکر شبلی کے

۱۔ ایڈورڈ برٹن۔ لٹریچر ہسٹری آف پرشیا۔ جلد اول۔ ۱۸۶۵ء طبعات انگریزی لٹریچر۔

۲۔ لٹریچر آف انڈیا۔ ۱۸۶۵ء طبعات انڈیا۔

اشارات یعنی آپ کی رمز بھی سب سے زیادہ عجیب چیز تھی۔ اُن کا نعرہ شبلی کا
 منقروں ہونا بجا ہے۔ کیونکہ یہ پُر جوش و پُرشور نعرہ اُن کے کانوں میں گونج رہا ہو گا
 مگر آیات قرآنی کے معانی بتانے اور دیگر امور میں آپ جس ذہانت و طباعی
 سے خور کر کے نکات و حکم کا پتہ لگایا کرتے تھے وہ ہمیں آپ ہی کا حصہ نظر آتا ہے
 واصل سرشار سے وحدت ہونے کی وجہ سے آپ کے دیگر کمالات جذبہ
 و جوش کے واسطے میں اس قدر چھپ گئے تھے کہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر
 بعض معاصرین کی اُن پر نظر نہ پڑی۔ اور واقعی آپ کا جوش و خروش غیر معمولی
 اور قیامت خیز تھا۔ دنیائی ہر ہر بات سے عبرت حاصل کرتے۔ اور ہر سبک
 ہاتھ ہی بیا جوش پیدا ہوتا کہ اُس کے اظہار کے وقت لوگوں کو بھی از خود رفتہ
 کر دیتے اور خود بھی بیوش ہو کے گر پڑتے۔

چنانچہ آپ کے بعد شیخ خرقانی جو ایک بڑے اعلیٰ پایے کے صاحب کشف و صوفی
 تھے اکثر کہا کرتے "ابو بکر شبلی ہی تھے جو مست جیہ اور مست مرے۔ اس لیے
 کہ میں نے عالم مکاشفہ میں انھیں اس وضع میں دیکھا کہ میرے سامنے ہوا میں
 رقص کر رہے ہیں۔"

انھیں امور نے آپ کے بعد لوگوں کا عام خیال آپ کی طرف اس قدر
 رجوع کر دیا تھا کہ بعض لوگوں میں آپ کے حالات کی جستجو کا تو غل بے اتہا بڑھ گیا
 تھا۔ بجائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پوچھیں علماء سے شبلی کے حالات
 دریافت کر کے۔ چنانچہ شیخ ابوسعید ابوالخیر ابوالحسن ثنی سے ملنے کو آئے تو بجائے

اس کے کہ کوئی حدیث یا حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حال پوچھیں کہنے لگے اپنے شیخ نشی کو دکھا ہے۔ اُن کا کوئی واقعہ بیان کیجیے۔ ابوہریرہؓ نے کہا: سبیل کے حالات پوچھتے ہو اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات نہیں پوچھتے؟ ابو سعیدؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی واقعہ فرمائیے۔ تب انھوں نے پہلے ایک حدیث نبویؐ بیان کی اور اس کے بعد سبیل کا وہ واقعہ بیان کیا جس میں ایک شخص نے "وصل" کے متعلق سوال کیا تھا۔ اور سبیل کو جواب میں پُر اثر تقریر کرتے کرتے اس قدر جوش آیا کہ بیوش ہو کے گر پڑا۔

و تو آپ کے بعد کا قریب تر زمانہ تھا جب تک کہ آپ کے دیکھنے والے موجود تھے۔ لیکن اُس کے بعد روز بروز لوگوں کے دہن میں آپ کی عقیدت بڑھتی ہی گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ معرفت و حقیقت کے متعلق جو کتاب لکھی جاتی اُس میں آپ کے اقوال حکم سے قائم اٹھایا جاتا۔ اور آپ کا نام اُسکی مقبولیت کا ایک پرست عنصر ہوتا۔ اور پھر اس کے بعد فارسی اور عربی کی بولی کتابوں میں بھی آپ کے اخلاق و عادات اور آپ کے حکایات سے قائم اٹھایا جانے لگا۔

چنانچہ ہستان میں آپ کا کمال سرعہ ہر کرنے والی ایک چھوٹی سی حکایت جو شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے تحریر فرمائی ہو اُسے ہم اس سے پیشہ نقل کر چکے ہیں۔ اس موقع پر ایک اور حکایت نقل کیے دیتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

عہدِ نجات ۱۲۸۳-۱۲۹۲- عہدِ چکایتِ سفرون میں دج کرنے کے قابل تھی گرجا ہی تھوڑی سی ہر سوقت پڑی جبکہ اس کتاب کا غالب حصہ مرتب ہو کے طبع ہو چکا تھا۔ اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہم ناظرین کو اس محروم رکھیں۔ انداز میں دج کیے بیٹھے ہیں۔ اور دوسرا ڈریشن میں مفردان کے سلسلہ میں داخل کر دی جائے گی۔

مولانا عینی جوینی نے گلستان سعدی کے طرز پر ایک اخلاقی کتاب لکھی
 ہو جس کا نام گلستان رکھا ہو۔ اس میں مولانا نے مدوح ایک حکایت میں خود حضرت
 ابو بکر شبلی کی زبان سے اُن کے ایک سفر کا حال بیان کرتے ہیں۔ وہ حکایت یہ
 ہے کہ شیخ شبلی کہتے ہیں "ایک دن میں بارادہ حج گھر سے محل کے بندہ کے بازار
 میں آیا۔ وہاں ایک خوبصورت جوان رعنا کو دیکھا کہ پُر تکلف کپڑے اور زبرد کلر
 جوڑے بغداد کے تارکن مشوق کی طرح ناز و انداز سے جا رہا ہے۔ اور ایک سیب اس
 ہاتھ میں ہے۔ دوسرے دن جب قافلہ روانہ ہوا تو مجھے وہی جوان رعنا قافلہ
 میں نظر آیا۔ اور اس شان سے کہ جوتیوں میں جواہرات ٹکے ہوئے ہیں ہنسی
 و ستار سر پر ہے اور گلاب میں بسا ہوا ہے۔ گویا گلگشت چمن یا سیر بازار گئے
 منزل عیش سے محل کے باہر آیا ہے۔ میں نے دل میں کہا اس نوجوان کے عشق
 کوئی راز کی بات ضرور ہے۔ دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو کوئی مشوق ہے
 جسے لوگ ناز و داری کے ساتھ لیے جاتے ہیں۔ یا کوئی عاشق ہے جو اپنے پیار سے
 کامیاب ہو کے ناز و فرنی کے درجے کو پہنچ گیا۔ اب مجھے یہ فکر ہوئی کہ یہ حج کو جاتا
 ہے۔ یا اور کہیں جائے گا۔ آخر نہ رہا گیا۔ اور میں نے اُس کے پاس جا کے
 پوچھا "تیاں صاحبزادے۔ تم کہاں جاؤ گے؟" بولا "گھر کو" میں نے کہا "کون گھر؟"
 بولا "جس پر آشوب گھر نے ایک خلقت کو آوارہ کر رکھا ہے اُسی کی زیارت کو"
 میں بھی جاتا ہوں کہ دیکھوں یہ آوارہ گرد لوگ کس کے پاس جاتے ہیں۔
 اس گھر میں جا کے کسے دیکھیں گے؟ اور کیا فائدہ اٹھائیں گے؟ میں نے کہا
 "مگر یہ بھی کوئی سامان سفر ہے جسے تم ساتھ لے کے چلے ہو؟ شاید تمہیں اس صحرا

کی دشواریاں نہیں معلوم؟" سُن کے اُس نے یہ شعر پڑھا۔

دوست آوارگی بھی خواہد رفتن حج بہانہ افتادہ بنت

میں نے کہا اُسے ناز پروردہ نوجوان اس تن پروری سے کام نہیں
چلے گا۔ بولا۔

میں نہ با اختیار خود سے روم از قتلے او آن دو کمان عنبرین سے بڑا کتان کشان

لے شلی میرا تو اسی وضع میں نشوونما ہوا ہے۔ اس لیے میری اس فروگذا
گرمات کرو۔

میں نے پوچھا اچھا سیب کیوں سوگھ رہے ہو؟ بولا تاکہ بلا خیر صحرای کی خوشخوار

باہموم سے نجات اور فرست جاں ہو۔ اس لیے کہ میں بھولون کی خوشبو کا عادی

ہوں ہا ہوں گود لبرون کے ساتھ رہا ہوں۔ اور دل کی کلی کھلتی رہی ہے۔ میں نے

کہا اچھا آؤ ہم تم اس سفر میں ساتھ اور ایک دوسرے کے ہمدرد رہیں۔ بولا

خدا کی قسم یہ نہ ہوگا۔ تم خرقة پوش میں جُبد نوش۔ میں خرابا قی تم منا جانی گل

بھی جام مے گلگون اُڑا چکا ہوں۔ اور اس وقت تک تھار کا اثر باقی ہے۔ بھلا

میرا تھارا نباہ کیونکر ہوگا۔ یہ جواب سُن کے میں اُس سے جُدا ہو گیا۔ اور پھر رات

بھر اُس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بیان تک کہ قافلہ مکہ معظمہ میں پہونچا۔ وہاں

ایک دن جبکہ بڑی سخت گرمی تھی کیا دیکھتا ہوں کہ وہی نوجوان میرزا بکھڑے

کے پرناے کے نیچے پڑا ہوا ہے چہرہ زرد اور مڑھایا ہوا۔ ناتوان اور بیمار۔ نہ وہ

کپڑے ہیں۔ نہ وہ دستار ہے۔ نہ وہ جوتیان ہیں۔ مگر وہی سیب ہاندہ میں ہے۔

جسے تاکنے پاس لیجا کے سوگھتا اور یہ شعر پڑھتا ہے۔

لَدَعْتُ نَحْيَةَ الْهَوَىٰ كَبَدِي مَالَهُ رُحْبَةً وَلَا رَأْفَةً
 وافقی حلق نے لکھ جو دس لیا۔ اسکی نہ کوئی اتار ہے اور نہ کوئی سھاڑنے والا ہیں
 چاہا اسے چھوڑ کے آگے بڑھوں کہ اس نے دامن پکڑ لیا۔ اور کہا شبلی بھی پہچانتے ہو؟
 میں نے کہا۔ تمہارا یہ حال کیونکر ہوا؟ بولا فریاد اچھو را سترہ میں میں مشوق
 بنا کے لاتے ہیں اور عاشقی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ وہی سبب
 جسے تم نے کے چلے تھے؟ بولا اس سبب کی مصیبت سے بھی فریاد ہے شبلی
 دیکھتے ہو میرے ساتھ کیا کیا؟ اور کس طرح پامال غضب بنا دیا؟ پہلے تو کہا تو مشوق
 ہے جی نہ میلا کر جب مجھے صحرائے آزمائش میں مبتلا کیا تو کہا تو عاشق ہے۔ جب
 میں عرفات میں پہنچا تو کہا ابھی تو بچہ ہے۔ جب میں واسط میں پہنچا تو کہا تو
 درمیانی عمر کا ہے۔ پھر جب میں اس گھر پہنچا تو آواز آئی کہ تو اس حرم کا محرم
 نہیں۔ آخر مایوس ہو کے میں نے غل چایا اتنا مطلوب۔ اس کا جواب یہ سنا
 کہ اسے یا محبوب بدلے محبوب پٹ جا میں اس فکر میں جل کے خاک ہو گیا کہ بیان
 کچھ نہیں سا اور اس نغمہ سے آشنا ہوا کہ گھر میں کوئی غیر نہیں۔ اسے شبلی آج میں
 زار و زار اور اس نزاکت سے بیزار ہوں۔ نہ یہ جانتا ہوں کہ محب ہوں یا
 محبوب۔ اور نہ اس کی خبر ہے کہ طالب ہوں یا مطلوب۔ حاجیوں میں ہوں۔
 یا کسی اور کا محتاج ہوں۔ اسی فکر میں بھنا ہور سی صد سے گھلا جاتا ہوں۔
 بیچارہ تو نہیں ہوں مگر اسی فکر کی پیاری ہے۔ اس کی آہ و زاری نے میرے
 دل پر اثر کیا۔ اس سے کہا اچھا آ۔ تجھے اہل ذوق کے پاس لے چلوں۔ اور اس
 حیرت سے بھاتے لاؤں۔ بولا شبلی مجھے پڑا ہی رہے دو۔ اس لیے کہ اس حیرت

میں مجھے ایک دلچسپی ہے اور اس فکر میں مزہ ملنے لگا ہے۔ جب اُس نے یہ کہا تو میں اُسے چھوڑ کے چلا آیا۔ اس کے بعد رات بھر میں سوجھ بوجھ کے اطراف و جوانب میں مصروف عبادت و ذکر رہا صبح کو جب خانہ کعبہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ لوگ اُس شکستہ خاطر جوان کی لاش کو عظیم کے پاس سے اٹھا کے فتن کرنے کے لیے کندھوں پر لیے جاتے ہیں۔ ایک محرم راہِ حقیقت سے اُس کی حالت پوچھی تو اُس نے یہ شعر پڑھا۔

عاشقانِ کشتِ یمنِ مشوقند بر نیسا یہ ز کشتِ نگانِ آواز

اگلے قصائید ہی پر موقوف نہیں۔ آج تک جو کتابیں تصوف اور روحانی اخلاق میں لکھی جاتی ہیں ان میں حضرت شیخ ابو بکر شیلی کے اقوال و افعال سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور اٹھایا جاتا ہے۔

حکم

آپ کے حکم و لطافت دریا نے معرفت کے وہ موتی ہیں جو بہت گہرا غوطہ لگا کے نکالے گئے ہیں۔ ان سے ایک طرف تو آپ کے غرقِ توحید و رشتاد دریا نے حقیقت ہونے کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آیات و احادیث و غیرہ میں آپ اپنی ذہانت و طباعی سے کیسے اچھے معنی نکال لیا کرتے تھے جو ظاہری معنوں سے الگ اور اہل تصوف کے روحانی مذاق کے موافق ہوتے۔

شیخ الطائفہ محمد الدیوب بن عربی اور دیگر متاخرائے اقصوت نے اس قسم کی نکتہ آفرینی اور دقیقہ بینی میں اعلیٰ درجہ کا کمال دکھا دیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس مذاق تفسیر کی بنیاد حضرت شبلی ہی سے پڑی۔ اور یہ طرز جس پر تمام بعد والے چلتے رہے ہیں اصل میں حضرت شیخ شبلی ہی کی نکالی ہوئی تھی۔ آپ کے چند اقوال شیخ یہ کہ آپ نے سے لکھنا اور ترجمان بنائے کے قابل ہیں اور ایسے ہیں کہ ان سے ہر خیال مذاق اور ہر کوشش ملت کا آدمی کیسے بیان کر سکتا ہے۔

- (۱) آزادی دل کی آزادی ہے اور رست۔
- (۲) حق سبحانہ و تعالیٰ سے باتیں کرنے میں گفتگو ظاہر کرنا بے اولیٰ ہے۔
- (۳) محب اگر خاموش ہوا اور عارف اگر نہ خاموش ہوا تو ہلاک ہوا۔
- (۴) شگم شہم کی طرف دیکھنے کا نام ہے نہ نعمت کی طرف دیکھنے کا۔
- (۵) ہستقامت اس کا نام ہے کہ یہی موجودہ وقت تجھے قیامت نظر آئے۔
- (۶) ہزار سال کی عبادت میں ایک وقت کی بھی غفلت رسوائی ہے۔
- (۷) اول دنیا و آخرت دونوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ دنیا محنت کا گھر ہے۔ آخرت نعمت کا گھر ہے اور دل معرفت کا گھر ہے۔
- (۸) مین اگر بادشاہ کی خدمت نہ کر چکا ہو تاو مشائخ کی خدمت نہ کر سکتا۔
- (۹) حب ایک دہشت ہے ایک خوف میں۔ اور ایک حیرت ہو ایک نعمت میں۔
- (۱۰) جو محبت کا دعویٰ کرتا اور پھر محبوب کے سوا اور چیز کا خواستگار ہو وہ محبوب کے ساتھ مسخرانہ کرتا ہے۔

عہ نقات لائس ۱۰۳۰ عہ حوران المعارف ۱۷۲۰ عہ طبقات الکبریٰ ۱۶۳۰

لغہ زما و تفسیر ۱۰۴-۱۲۳-۲۲۹

- (۱۱) جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ خود بلا عذاب کرے تو اسے ضرورتِ دل میں لانا ہو۔
- (۱۲) کسی نے حق تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔ کیونکہ پہچانتا تو پھر غیر میں نہ مشغول ہوتا۔
- (۱۳) علم ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ اپنی ذات سے اپنے نفس کو متاثر کر کے پہچانے۔
- (۱۴) عبارت کی علم زبان ہو۔ اور اشارت معرفت کی زبان۔
- (۱۵) ہمت صرف خدا کا طلب کرنا ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے ہمت نہیں۔
- (۱۶) صاحبِ ہمت کسی چیز پر اہل نہیں ہوتا۔ مگر صاحبِ ارادہ جھٹ مائل ہو جاتا ہو۔
- (۱۷) جمعیت کلی کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور وہ وحدانیت کی ایک صفت ہے۔
- (۱۸) مذکور کے مشاہدے کے وقت ذکر کو بھول جانا افضل ترین ذکر ہے۔
- (۱۹) حق تعالیٰ کے ساتھ بیٹھا بغیر کلمہ و کلام کے ہے۔
- (۲۰) صابر اہل درگاہ سے ہے۔۔ رضی اہل پیشگاہ سے ہے۔ اور موقوف (اپنے آپ کو)
- خدا پر چھوڑ دینے والا) اہل ہمت سے ہے۔
- (۲۱) صادق کی علامت یہ ہے کہ حرام کو منہ سے الگ پھینکے۔
- (۲۲) اُنس یہ ہے کہ بندے کو اپنے سے وحشت ہو۔
- (۲۳) جو ذکر سے اُنس رکھتا ہے وہ اُس کے برابر کب ہو سکتا ہو جو خود کو سے اُنس رکھتا ہو۔
- (۲۴) ہر نعمت کے نیچے تین گریہیں۔ اور ہر عبادت کے نیچے چھ گریہیں۔
- (۲۵) قرب کی علامت ماسوائے اللہ سے قطع کرنا ہے۔
- (۲۶) جو انفرادی یہ کہ خلقت کی مصلحت کو تو اپنی مصلحت کے مثل بلکہ اُس سے بڑھ کر سمجھے۔
- (۲۷) بندہ جو سانس اپنے مالک حضرت جل جلالہ کی موافقت میں نیتا۔ اور وہ تمام عبادتوں کی قیامت تک کی عبادت سے افضل و اعلیٰ ہے۔

(۲۸) یہ گھڑی جس میں تُو ہے (موجودہ گھڑی) ہزار سال گذشتہ اور ہزار سال آنندہ کی نسبت تیرے لیے قیمت ہے۔ یعنی عالم ارواح میں ماضی و مستقبل یکساں ہیں۔ ہوشیار کہ تجھے کوئی جہانی شے دھوکا نہ دے۔

(۲۹) اہل معرفت کے لیے ایک گھڑی کی بھول بھی شرک ہے۔

(۳۰) جس طرح خلق کا محبوب حق تعالیٰ سے حجاب میں ہے۔ اُسی طرح حق تعالیٰ کا محبوب خلق سے حجاب میں ہے۔

(۳۱) ایک گروہ ہے جس کے افراد دخل کی مصیبتوں میں حادث کے طریقے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جو کچھ لٹا جاتا ہے اُسے رقم کے طریقے سے سُن لیتے ہیں مگر بیٹھنے اور سُننے سے وہ سوا بلانے کسی چیز کے مستحق نہیں ہیں۔

(۳۲) صرع (ہیز گاری) یہ ہے کہ گل ماسوی اُٹھ سے ڈپر ہیز کرے۔

خاتمہ

ایسے بالکمال اور ایسے غریق دریاے معرفت تھے حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمہ اللہ اور افسوس کہ اُن کا ذکر خیر بھی ختم ہو گیا۔ اگرچہ ابھی جی نہیں بھرا۔ جی چاہتا ہے کہ یہی ذکر ہوتا رہے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم رہے۔ کیونکہ شبلی کو حضرت رب العزت کے ذکر میں جو ذوق و شوق تھا اُس نے خود اُن کے تذکرہ میں بھی ایک مزہ پیدا کر دیا ہے۔ اور یہی مزہ ہے جس نے اس مضمون نام کو دیا ہے اسلام میں ہر لغزیز چاہا۔ اور امید ہے کہ قیامت تک یہ نام یونہی ہر لغزیز رہے گا۔

ختم ذکر ۱۴۰۲ھ۔ ۱۹۸۲ء تک۔ حصہ ۱۔ سال ۱۴۰۲ھ۔

اس کی مقبولیت ترقی کرتی جائے گی۔

طبیعیات یعنی مادیات کے فنون میں یورپ نے فی الحال جو ترقیاں کی ہیں وہ عالم پر چھائی جاتی ہیں۔ بظاہر حقیقت شناسی و معرفت کا مذاق روز بروز تنزل اختیار کرتا جاتا ہے۔ اور نظر آ رہا ہے کہ متاثرین سلف اور علماء کے باطن کے خدو رنگ کی شمعیں اس سانس کے طوفان عظیم کے جھونکوں سے گل ہوا چاہتی ہیں۔ یورپ ہی نے یونان و روم کے فلاسفہ اشراقی۔ اور اپنے مذہبی مابہوم متاثرین و متاثرین کی سرد بازاری نہیں کی بلکہ اس کی تھکید میں تنی تعلیم دینے والے نوجوانان اسلام بھی اپنے علمائے باطن اور روحانیات و اخلاق کے باکمالان سلف سے بدھیت ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فلسفہ جدید کی مدد سے انسان چاہو بہمان سے تارے توڑ لائے مگر انسان کامل نہیں بن سکتا۔ وہ ریل نا کے ایک مینہ کا راستہ ایک گھنٹہ میں طے کر سکتا ہے۔ اڑنے والا جہاز بنا کے ہوا میں اڑ سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ روحانیت کے محترم و بارہین باریاب ہو۔

خود فلسفہ جدید کے بانی اور اس کے اکثر پیروں کا دامن باوجود تمام کمالات صوری کے بد اخلاقی اور مختلف جرائم کے مکروہ و دھتور سے ناپاک ہے۔ لیکن اس چہرہ معرفت کا ایک قطرہ بھی اگر کسی کے حلق سے اتر گیا تو وہ انسان سے فرشتہ بن گیا۔

یہی سبب ہے کہ یورپ و انون نے دو ہی سو برس کے اندر اس جدید مادی مذاق میں ترقی بھی کی۔ اور اکتا بھی گئے۔ کیونکہ صدائے پوپا ب سانس کو چھوڑ چھوڑ کر روحانیت کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں۔ اور پلٹنا نرم "اخلاطونیت" و لون میں

جگہ پیدا کرتی جاتی کہے۔ زمانے کی اگر یہی رفتار رہی تو امید کی جاتی ہے کہ ادویات
 کے جال میں پھنسا چہرہ و وزبہ پھر عوام اور ادبی درجے کے لوگوں کا کام چلے گا۔
 اور روحانیت و حقیقت کا جو یا ہو نا اعلیٰ درجے کے شریف انفس لوگوں کا شغل ہوگا۔
 اس وقت ہمارے نوجوان بھی جو ان کی تقلید کو سرمایہ تاز خیال کرتے ہیں۔
 بھستان باطن کی سیر کرتے ہوئے اپنے قدیم مانع معرفت میں آئین گے۔ اور نظر آئے گا
 کہ ہمارے اصلاح میں بھی ابوبکر شبلی کا ایسا عالی پایہ جو بڑے حقیقت گذرا ہے
 جس کے سینے کی شمع معرفت سارے عالم کے علمائے روح کی شمعوں کو اُسی طرح
 بے نور کیے دیسی ہے جس طرح آفتاب کی روشنی میں تارون کا نور غائب ہو جاتا
 ہو۔ اور وہی زمانہ ہوگا جبکہ شبلی کا سچا مرتبہ معلوم ہوگا۔ والسلام

خاتمہ - آئین

سلسلہ شاہیہ اسلام کا یہ دو سطر نمبر مزور و مخرم اور صاحبِ وق تاظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور انھوں نے کہ آپ دلائلین۔ ایک حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی اور ایک حضرت ابوبکرؓ کی شان ہے۔ جو بہت عقیدہ مند تھے اور عرق ریزی و جاکشی سے مرتب کی گئی ہیں جنہیں ہندوؤں کے سوانح عمری کو اعلیٰ دائرے طبقہ کے لوگوں نے پسند کیا اور بڑی خوشی کی۔ یہ بات یہ کہ پھر ان خیال کے لوگوں کو خلعت قبولیت عطا فرمادیا تھی تو خیال ان لوگوں میں قلمی ہے جو خود بولنے پر بھی ارادہ تھا کہ اب بھی ہم کسی پرانے صوفی صافی مشرک کے حالات کی طرف توجہ کریں، مگر شاہ انصاف اور صاحبِ قلب سجادین رنگارنگ دلی شریعت کے اصرار اور ہر یک دیگر حضرات کی تائید پر ہم سب صوفیوں کے علاوہ جتنے بھی اہل علم و حضرت شیخ ابوالحسن اشعریؒ کی لائف مرتب کرنا شروع کر دی۔ وہی اصل لائف کی بنیاد پر تھی کہ وہ کہ قریب پانچ سو سال قبل اہل سنت تھے ہوں یا شافعی، جکی ہوں یا حنبلی اصول و عقائد میں سب حضرت ابوالحسن اشعریؒ کے پیرو ہیں۔ اور یہی خدمت دین اسلام کی اخلاقی کی جو کسی سے نہ ہو سکتی تھی جب فلسفہ یونان کا اسلام کے عقائد پر حملہ ہوا۔ تمام مشرکین نے کہا کہ یہ نہیں پڑتا تھا۔ اور وہ امر اس قدر مستقیم سے بیٹھے جاتے تو اس وقت ابوالحسن اشعریؒ اٹھ اور تمام مخالفین کو پال کر کے ملت بیضا کو مستحکم کیا یا غلامیہ کہ جسی فتح اسلام کو گمراہیوں کے مقابلہ میں حضرت جعفر قاروقیؒ کے ہاتھوں کو اوجھل ہوئی تھی۔ یہی فتح فلسفہ یونان اور یہ عقیدے کے مقابلہ میں اسلام کو ابوالحسن اشعریؒ کے ہاتھوں میں سمجھ سکا۔ اور وہی لائف اس پر کہ جلد مرتب کیے شائع ہو جائے۔ مگر اس کا ترجمہ عربی کے فرنگی اس پر جتنا نظر آتا ہے۔ انہیں ہم بھی نہیں بتا سکتے کہ یہی قیمت کیا ہوگی۔ تیار ہونے ہی سے خدا جانتا ہے۔ ایک ہفتہ پیشتر اسلامی کاروبار کے تمام فرما داران جنہیں قبلی کی خدمت میں تھی۔ تھی بھی جانے گی۔

خاکسار۔ منہر د لکھنؤ۔ ۲۰

جنید بغدادی

(سلسلہ مشاہیر اسلام نمبر ۱)

حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح عمری تعلیمات سفر و
گیر حالات کمالات آپ کا تصوف اور آپ کے روحانی فیوض و برکات فیض باب ہونا تو اس کے
کو ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ یہ سادہ ہی آپ کو بتائے گا کہ اسلام نے قرون اولیٰ میں کیسے عکاس
مستائین اور کس پائے کے اولیا اللہ پیدا کیے ہیں۔ یہ مقدس نام اکثر مٹا ہو گا مگر اسکی خبر ہوگی کہ یہ
بزرگ تھے کیسے اوکس پائے کے جن حضرات کو سلسلہ مشائخ صوفیہ میں بہت ہوا یہ ضرور ملاحظہ فرمائیں
جو بیجا تھکے دو سہارین کی طرح چپائی اور کھائی ہی واضح و روشن ہے۔ قیمت۔ ص ۱۔

ابوبکر شبلی

(سلسلہ مشاہیر اسلام نمبر ۲)

حضرت شیخ ابوبکر دلف بن محمد شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح عمری تعلیمات سفر و
گیر حالات کمالات آپ کا تصوف اور آپ کے روحانی فیوض و برکات حضرت شبلیؒ کی خوش و خوش و جذب کمال کوئی نہیں
ہیں۔ آپ ہی ہیں جنہوں نے معرفت کو رباطی کوشت نام کر دیا اور انکی بیان تک شاعت کی کہ آج ساری دنیا
پر شیخین دلفین کی حکومت ہے۔ آپ کے حالات بھی لوگ بہت ہی کم لکھتے ہیں یہ بھی بہت وضع اور روشن ہے کہ قیمت
اصطیاط ۱

جس نسخہ میں اس مقام پر حضرت بابہر و ولد از کے و تھانہ بن و بال مرقہ خیال کیا جائے اور
جن حضرات کی خدمت میں بغیر و خط کی ہوئی کوئی کتاب بھی ایک رو بھیج کر و قمر کو ضرور مطلع فرما دیں۔
..... اوپر پڑھنا میسر و لکھنا۔

جناب لانا مولوی محمد عبد اللہ صاحب کے تصانیف

تاریخ	موضوع	تاریخ	موضوع
۱	جنید بغدادی	۲۱	بخت بیک کا دل
۲	ابو بکر شبلی	۲۲	مقدس تازنین
۳	عروب صلیبیہ	۲۳	ایام عرب ہر جلد
۴	تاریخ سندھ	۲۴	خروس برین
۵	توابعین الدین خانی	۲۵	فلوراکلور پتہ
۶	اسلامی سوانح عمری	۲۶	شوہین ملک
۷	حسن بن صباح	۲۷	یکتا لکڑی ورجنا
۸	لاریکین	۲۸	حسن انجیلنا
۹	دلفانہ قیس	۲۹	منصور مونا
۱۰	تاریخ بغداد	۳۰	شہید رفا
۱۱	ملک زونہ	۳۱	دکشین تندنی
۱۲	اکرم ارفاحیہ فلسفہ	۳۲	دکشین ہر دھتہ
۱۳	انکلاف تین	۳۳	میرا لکشی مصیبت
۱۴	جلد ۱	۳۴	آقا صادق کی شادی
۱۵	جلد ۲	۳۵	واکو کی دوہن
۱۶	جلد ۳	۳۶	شہید کے شریعہ میں چارک
۱۷	جلد ۴	۳۷	دو جید ناول تیار ہوں گے
۱۸	جلد ۵	۳۸	وہ اس میں اضافہ کر دیے
۱۹	جلد ۶	۳۹	جائیں گے۔ اور اس وقت
۲۰	جلد ۷	۴۰	ہم ان میں سے بعض کتابیں
۲۱	جلد ۸	۴۱	شاید نہ باقی رہیں۔

المشتر محمد فاروق میجر و لکھنؤ کٹرہ زن بیٹا